دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ

الحق

بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ

مدیر مسئول: مولانا سمیع الحق

ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ اگست ۱۹۹۸ء

ارباب مدارس توجہ فرمائیں

"وفاق المدارس" کی طرف سے چند ضروری اعلانات و معروضات

"وفاق المدارس العربیہ پاکستان" کی جانب سے بعض ضروری اعلانات برائے ارباب مدارس پیش خدمت ہیں۔ تمام اہل مدارس عمل درآمد فرما کر تعاون فرمائیں۔

۱۔ فارم داخلہ : سالانہ امتحانات ۱۴۱۹ھ کے داخلہ فارم تمام مدارس کو ارسال کئے جارہے ہیں اگر نہ ملیں تو حسب ضرورت طلب فرمائیں، عندالضرورت مزید فوٹو سٹیٹ بھی کروا سکتے ہیں۔ داخلہ فارم عام فیس کے ساتھ یکم ربیع الثانی سے ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ اور دوگنی فیس کے ساتھ ۳۰ جمادی الاولیٰ تک وصول کئے جائیں گے۔ اس کے بعد کوئی فارم قبول نہیں ہوگا۔ داخلہ فیس اور سالانہ فیس کا الگ الگ ڈرافٹ ہونا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ رقم "کراس ڈرافٹ بنام وفاق المدارس" کے علاوہ کسی شکل میں بھی وصول نہیں کی جائے گی۔

۲۔ فیسوں میں اضافہ : موجودہ گرانی اور وفاق کے روز افزوں اخراجات کی وجہ سے فیسوں میں معمولی اضافہ کیا گیا ہے جو درج ذیل ہے۔

(ا) مدارس کی سالانہ فیس : مدارس ابتدائیہ = ۳۰۰ روپے، مدارس تحفیظ القرآن = ۴۰۰ روپے، مدارس تجوید القرآن = ۵۰۰ روپے، مدارس متوسطہ = ۴۰۰ روپے، مدارس ثانویہ = ۶۰۰ روپے، عالیہ = ۱۲۰۰ روپے، جامعات = ۱۸۰۰ روپے

(۲) طلبہ کی داخلہ فیس : حفظ = ۷۵ روپے، متوسطہ = ۷۵ روپے، عامہ = ۸۰ روپے، خاصہ = ۸۵ روپے، عالیہ = ۱۰۵ روپے، عالمیہ = ۱۳۵ روپے

(۳) الحاق فیس : مدارس ابتدائیہ (تحفیظ، تجوید، متوسطہ) = ۷۰۰ روپے، ثانویہ = ۱۰۰۰ روپے، عالیہ = ۱۷۰۰ روپے، جامعات = ۲۲۰۰ روپے تفصیل بالا کے مطابق ادائیگی فرمائی جائے۔

۳۔ متوسطہ میں انگلش و سائنس کے لازمی مضامین : آئندہ امتحانات شعبان ۱۴۱۹ھ میں درجہ متوسطہ کے لئے انگلش و سائنس کے مضامین لازمی کر دیئے گئے ہیں۔ انگلش کا پرچہ مستقل ہوگا جبکہ جنرل سائنس و ریاضی کا پرچہ مشترکہ ہوگا۔

۴۔ امتحان میں عدم شرکت : وفاق کے تحت ہونے والے امتحانات میں کسی معقول وجہ کے بغیر مسلسل تین سال تک شرکت نہ کرنے والے مدرسہ، جامعہ کا الحاق ختم کر دیا جائے گا۔

۵۔ تجدید الحاق : تمام مدارس و جامعات کی "تجدید الحاق" کا فیصلہ کیا گیا ہے اس سلسلہ میں تفصیلی خط اور فارم آنجناب کو ارسال کیا جا رہا ہے اس کی جلد تکمیل فرمادیں۔ کوئی بات وضاحت طلب ہو تو دفتر سے رابطہ فرمائیں۔

۶۔ ڈائریکٹری مدارس : تمام مدارس و جامعات کی ایک ڈائریکٹری عنقریب شائع کی جارہی ہے اس سلسلہ میں آپ اپنے ادارہ کا نام، پتہ، مہتمم کا نام، فون نمبر، فیکس نمبر، تاریخ الحاق، درجہ الحاق صاف اور واضح لکھ کر جلد دفتر کو روانہ فرمادیں

۷۔ صوبائی مجلس عمومی کا اجلاس :

وفاق سے ملحق صوبہ بلوچستان کے تمام مدارس و جامعات کی مجلس عمومی کا اجلاس ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ، ۲۰ ستمبر ۱۹۹۸ء بروز اتوار مدرسہ تجوید القرآن سرکی روڈ کوئٹہ میں ہوگا۔ جبکہ صوبہ سندھ کے مدارس و جامعات کا اجلاس ۲۲ ستمبر ۱۹۹۸ء بروز منگل ہوگا جس کے مقام کا تعین عنقریب کر دیا جائے گا۔

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر ___ 33
شمارہ نمبر ___ 11
ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
اگست ۱۹۹۸ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر اعلیٰ	نگران	مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ	حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز ___ سی ٹی بی ٹی پر دستخط، لیبیا کے ساتھ یکجہتی کا عالمگیر مظاہرہ، کوسوو میں سرب مظالم
طالبان کی اہم فتح صوبہ فاریاب ___ راشد الحق سمیع حقانی ___ ۲
دارالعلوم حقانیہ وماہنامہ الحق کی اہم وضاحت ___ ادارہ ___ ۶
انبیاءؑ کا مشن اور علماء کی ذمہ داریاں ___ مولانا محمد شہاب الدین ندوی ___ ۷
ایک عظیم محقق ڈاکٹر حمید اللہ کا سانحہ وفات ___ ادارہ ___ ۱۳
لھوالحدیث (گانا بجانا وغیرہ) شرعاً منع ہے ___ مولانا عبدالغنی ___ ۱۸
حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء ___ ایک تنقیدی جائزہ ___ جناب لیکچرار اظہر جاوید ___ ۲۲
پروفیسر طاہر القادری کا نظریہ رؤیت ہلال ___ ایک تنقیدی نظر ___ جناب ضیاء الدین لاہوری ___ ۳۱
پیروی مرشد روشن ضمیر ___ جناب الطاف الرحمان حقانی بنوی ___ ۴۰
قتیبہ بن مسلمؒ ___ فاتح چین وترکستان ___ جناب لفٹیننٹ کرنل محمد اعظم ___ ۴۴
تحقیق میں اشاریہ سازی کی اہمیت ___ جناب محمد یونس میو ___ ۵۰
یروشلم میں توسیع کا اسرائیلی منصوبہ ___ حافظ طاہر محمود اشرفی ___ ۵۴
ظہور آدم سے ظہور اسلام تک ___ پروفیسر لطف الرحمان فاروقی ___ ۵۶
دارالعلوم کے شب وروز ___ شفیق الدین فاروقی ___ ۶۱

کمپیوٹر کمپوزیٹر :- سجاد خان

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان ۔ فون :- 630435, 630340 - (0923)

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ =/150 روپے، بیرون ملک 20 $ امریکی ڈالر
پبلشر :- مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک منظور عام پریس پشاور

نقشِ آغاز

راشد الحق سمیع حقانی

سی ٹی بی ٹی پر دستخط... قومے فروختند وچہ...؟

ہمارے ملک کے ناکام اور نااہل حکمرانوں نے اپنے دورِاقتدار میں ملک وملت کا اپنے غیر دانشمندانہ اقدامات کیوجہ سے جو ستیاناس کیا ہے اور کررہے ہیں اس کی نظیر ملک کی سیاسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ جن لوگوں کو ان سے یہ توقعات اور امیدیں وابستہ تھیں کہ کم سے کم ملک کی بدترین معاشی اور اقتصادی صورتحال سے یہ لوگ بحسن وخوبی نبردآزما ہوں گے اور ملک کی اقتصادی لحاظ سے ڈوبتی کشتی کو ساحلِ عافیت پر لگادیں گے لیکن صد افسوس کہ ان ناخداؤں نے ہی ملک وملت کی ناؤ کو قعرِ مذلت میں ڈبودیا۔

حکومت کا ایک اور تازہ شرمناک کارنامہ یہ ہے کہ ابھی اقتصادی پابندیوں کے دو ماہ بھی نہیں ہوئے ہیں اور ابھی اس کے اثرات بھی مرتب نہیں ہوئے کہ اربابِ اقتدار نے سی ٹی بی ٹی (CTBT) یعنی (پروانہ موت) پر دستخط کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ اب تک تو حکومتی ظالمانہ اقدامات ہم سب نے خندہ پیشانی سے سہے ہیں لیکن اب یہ لوگ ملکی حمیت قومی غیرت، خودداری، عزتِ نفس، وقار اور خودی کو یہود و ہنود امریکہ اور دیگر اسلام دشمن طاقتوں کے ہاتھوں میں گروی رکھنے کا ارادہ ظاہر کررہے ہیں اور پاکستانی غیرت مند قوم کو ذلت ورسوائی سے بھرپور "سودا" قبول کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ وہ قوم جس نے ابھی حال ہی میں اپنی منزل کے تعین کی جھلک دیکھی تھی اس کو جادہ ومنزل تو کجا بلکہ ٹانگوں سے ہی محروم کیا جارہا ہے۔ ہم جو ایک واحد اسلامی ایٹمی قوت بن چکے ہیں پھر حالیہ ایٹمی دھماکوں نے پورے عالم اسلام کو ایک تازہ توانائی بخشی ہے۔ نااہل حکمران اتنی جلدی ہی اپنی عظمت وشوکت کے بلند پرچموں کو دشمنانِ اسلام وپاکستان کے سامنے سرنگوں کرنے کی سرتوڑ کوششوں میں مصروف ہیں۔ اور ایک جیتی بازی کو شکست میں تبدیل کرنے کی داؤپیچ میں لگے ہوئے ہیں۔ آج پوری قوم حکمرانوں سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ دو ماہ قبل آپ نے جو خودانحصاری اور خود داری کے بلند بانگ دعوے کیے تھے اور اپنی بےجان اور پھیکی تقریروں میں علامہ اقبالؒ کے گرم اور ایمان افروز اشعار سے جان ڈالنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ آج ہمارے نااہل حکمرانوں کے اس "طائرلاہوتی" کے پر پرواز سے قبل اتنی جلدی کیسے ٹوٹ گئے؟ کیا پاکستانی قوم لیبیا، سوڈان، ایران، عراق اور کوریا کے اقوام سے کمتر ہے؟۔ وہ لوگ تو کئی سالوں سے ہرطرح کی سخت تکالیف برداشت کررہے ہیں۔ ہمارے پائے استقلال کیوں اتنی جلدی اکھڑ گئے؟۔ پیٹ پر پتھر

باندھنے کے حوصلے دینے والے آج اپنی خوداری اور غیرت ایمانی کو ایک کف جو اور خوشہ گندم کے عوض بیچنے پر تیار نظر آرہے ہیں۔ ع قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند

لیکن ناعاقبت اندیش حکمرانوں کو ہم یاد دلاتے ہیں کہ ہم کسی بھی قیمت پر اپنی موت کے پروانے اور ذلت ورسوائی کے محضرنامے پر دستخط نہیں کرنے دیں گے۔ بھوکے مرتے ہیں تو مرجائیں لیکن قومی و ملی عزت وناموس پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کے متعلق ہندوستان کی پالیسی ہر لحاظ سے ہم سے بہتر ہے۔ انہوں نے امریکہ اور اقوام متحدہ پر واضح کردیا ہے کہ ہمیں بھی اپنی خوداری عزیز ہے اور تم بھی پانچ ملکوں کی ایٹمی قوت ہونے پر اجارہ داری ختم کرو یا ہندوستان کو بھی ایٹمی کلب میں شامل کرلیں اور یا پھر سلامتی کونسل میں ہندوستان کیلئے مستقل نشست دیجائے۔ ادھر ہمارے بے ضمیر امریکی دلال وطن فروش وملی حمیت سے عاری حکمران بغیر کسی شرط کے صرف ایک موھوم اقتصادی ریلیف یا چند ڈالروں کے عوض اپنے ملک کا سب کچھ داؤ پر لگا رہے ہیں اور ایک زندہ وتابندہ قوم کو معاہدے کے بعد اپاہج بنایا جارہا ہے۔ ریلیف سے اتنا فائدہ ہوگا کہ میاں صاحب کی موجودہ حکومت کے ایوان اقتدار کے گرتے ہوئے ستونوں کو عارضی طور پر سہارا مل تو جائیگا لیکن ساری عمر کیلئے قوم عالم کفر کے خونخوار درندوں کے سامنے بے بس ہوجائے گی۔ اور ہمارے ایٹمی پلانٹس، نیوکلیئر پروگرامز رول بیک کردیے جائینگے اور ان مراکز میں ایسے حساس مانیٹرنگ آلات نصب کیے جائیں گے جو ایک معمولی جنبش اور باریک حرکت کو بھی محسوس کریں گے۔ ہمارے ایٹمی مراکز ہمیشہ کیلئے یہود ونصاریٰ کے ناپاک قدموں کی زد میں رہیں گے۔ مغرب اورامریکہ عالم اسلام کو ایک بارپھر مایوسیوں کی اتھاہ تاریکیوں میں جائیگا۔ ہم جو اکیسویں صدی میں واحد اسلامی ملک اور ایک نئی شان اور آن بان کیساتھ دیگر ترقی یافتہ قوموں کی شانہ بشانہ داخل ہونا چاہتے ہیں۔ اس سے یہ خواب بھی چکناچور ہوجائیگا۔ اس انتہائی اہم ترین اور نازک ایشو پر ہم زعماء قوم سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ حکومت کو ملی خودکشی کے اس خطرناک اقدام سے روکیں بلکہ ان کے ناپاک اور سیاہ ہاتھوں کو جو (CTBT) دستخطوں کیلئے ہر لحہ بڑھتے جارہے ہیں ان کو باز رکھیں اور اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو ان ہاتھوں کو توڑ دیں ...... اس وقت پاکستانی قوم کی نظریں اور عقلیں امریکی ڈالرز اور گندم پر نہیں بلکہ قومی اور ملی غیرت، ایمانی جذبہ اور درخشاں مستقبل پر مرکوز ہیں۔ اگر ملت کی تقدیر کا فیصلہ کسی ملک کی فراہم کردہ گندم کی چند بوریوں سے وابستہ ہو۔ تو اس ذلت کی زندگی سے موت ہزار مرتبہ بہتر ہے۔ علامہ اقبالؒ کے ایمان افروز شعر کا یہی اصل موقعہ و محل اورتقاضہ ہے۔ کہ

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لیبیا کے ساتھ یکجہتی کا عالمگیر مظاہرہ

سویت یونین کی عبرتناک شکست وریخت کے بعد امریکہ اور مغرب نے عالم اسلام کو اپنا سب سے بڑا حریف اور دشمن سمجھ لیا ہے ۔ اور اب تک کئی مسلم ممالک کو اپنے اسلامی تشخص اور خودداری کو برقرار رکھنے کے جرم میں اپنے بغل بچہ اقوام متحدہ کے ذریعے معاشی ، اقتصادی ، سماجی اور فوجی لحاظ سے سزا دے چکا ہے ۔ لیکن پھر بھی اسکا غصہ اور عتاب بلکہ مروڑ ختم نہیں ہوا ۔ اور آئے دن عالم اسلام پر نت نئی پابندیاں لاگو کررہا ہے ۔ اس سلسلہ میں اسکی تازہ مثال پاکستان اور لیبیا ہے ۔ حال ہی میں اقوام متحدہ کی "سلامتی کونسل" نے لیبیا پر عائد پابندیوں میں مزید چار ماہ کا اضافہ کردیا ہے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ استعماری مفادات کو تحفظ دینے والی انٹرنیشنل عدالت "انصاف" تک نے بھی حال ہی میں ان پابندیوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔ لیبیا پر یہ ظالمانہ ، جارحانہ اور غیر منصفانہ پابندیاں گذشتہ کئی سال سے مستقل طور پر جاری ہیں ۔ ان کو صرف اور صرف اپنی خوداری اور قومی حمیت کی سزا دی جارہی ہے ۔ اس سلسلہ میں لیبیا کے عوام اور ان کے لیڈر کرنل معمر قذافی کا حوصلہ قابل تحسین ہے کہ انہوں نے امریکہ بدمعاش اور اسکی لونڈی اقوام متحدہ کی پابندیوں کا پامردی سے مقابلہ کیا ہے ۔ اس عرصے میں یہ پابندیاں انکے پائے استقامت میں کوئی لرزش نہ لاسکیں ۔ اس سلسلہ میں گذشتہ دنوں لیبیا میں ربیع الاول کی مناسبت سے پورے عالم اسلام کی اعلیٰ دینی وسیاسی قیادت امریکہ کے خلاف جمع کی گئی ۔ حکومت لیبیا کی باربار پر اصرار دعوت کو قبول کرکے دارالعلوم حقانیہ وجمعیت کے سربراہ اور ماہنامہ "الحق" کے مدیر اعلیٰ مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے بھی اس اجتماع میں شرکت کی ۔ اجتماع کا بنیادی مقصد امریکی استعماری اقدامات کے خلاف پوری امت مسلمہ کی طرف سے مکمل یک جہتی کا مظاہرہ تھا ۔ الحمدللہ اس اجتماع کے بہتر اثرات تیزی سے نمایاں ہورہے ہیں ۔ مسلم امہ کا یہ عظیم اجتماع امریکہ کے منہ پر ایک بڑا طمانچہ ہے ۔ الحمدللہ ان ناجائز پابندیوں کا دیگر اسلامی ممالک سوڈان ، عراق اور ایران نے بھی زبردست صبرواستقامت کا مظاہرہ کیا ہے ۔ اور اغیار کے آگے نہ جھکنے کا عزم صمیم کرکے اب اپنی خودی کو پہچان لیا ہے ۔ روس کی تحلیل کے بعد اب امریکہ کا انجام بھی اس سے مختلف نہ ہوگا ۔

کوسوو میں سرب مظالم اور امریکہ و اقوام متحدہ کی مجرمانہ خاموشی

الحمدللہ اس صدی میں افغانستان میں جو جہاد کا علم بلند ہوا تھا اور جو شمع حق مجاہدین کی قربانیوں سے

فروزاں ہوئی تھی اسکی لو اور روشنی سے فرزندان توحید کے منجمد اور خواب غفلت میں ڈوبے ہوئے دلوں میں ایک نیا جذبہ اور ولولہ تازہ جاگ اٹھا ۔ دیکھتے ہی دیکھتے کرہ ارض کا چپہ چپہ نعرہائے تکبیر سے گونج اٹھا ۔ امت مسلمہ اپنے اسلاف کے روشن وتابناک راستے جہاد کی طرف دیوانہ وار گامزن ہوئی ۔ جگہ جگہ جکڑا ہوا مسلم اپنی غلامی کی زنجیریں توڑتا ہوا اپنی خودی اور اپنی آزادی کے لئے عالم کفر اور عالمی استعمار کے دیو سے اپنا حق چھیننے کیلئے بیدار ہوا ۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں روس کے آہنی پنجے میں جکڑی مسلم ریاستیں آزاد ہوئیں ۔ مظلوم کشمیریوں کو ایک نیا ولولہ عطا ہوا ۔ یورپ کے قلب میں واقع بوسنیا اور بلقان میں عالم کفر کے مندروں اور عیسائیت کے ظلمت کدوں میں جہاد کی شمع فروزاں کردی ۔ رد عمل کے طور پر سرب درندوں نے ہزاروں کی تعداد میں بوسنیائی مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ۔ اور مہذب یورپ نے بیسویں صدی کے اختتام پر صلیبی جنگوں کی شکست کا بدلہ نہتے اور مظلوم مسلمانوں سے لیا ۔ ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اس کے ساتھ ہی سرب درندوں نے کوسوو میں بھی مسلمان حریت پسندوں، شہریوں کے ساتھ سفاکانہ سلوک شروع کردیا۔ اگر اقوام متحدہ اور امریکہ ان ظالم سربوں کو وقت پر لگام دیتے تو اس تازہ واردات کرنے کیلئے ان کو یہ ہمت نہ ہوتی ۔ ابتک کی اطلاعات کے مطابق کوسوو میں بھی ہزاروں افراد قتل کردیا گیا ہے ۔ اور آدھی سی زیادہ آبادی ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئی ہے ۔ آج مسلم امہ کے وحشیانہ قتل عام پر مہذب یورپ ہمیشہ کی طرح خاموش ، عالمی امن کا ٹھیکہ دار امریکہ خاموش اور طرفہ تماشا یہ کہ عالم اسلام بھی خاموش ۔

آج مسلم امہ کی وہ شاندار روایت کہاں دفن ہوگئی ، جب صرف ایک مظلوم لڑکی کی پکار پر اخوان عرب سندھ کے دوردراز تپتے صحراؤں میں لبیک کہتے ہوئے پہنچ جاتے ۔ اپنے وقت کی وہ فاتح قوم جس نے ایک ہی وقت میں دوسپرطاقتوں کو زیروزبر کردیا تھا ۔ آج حقیر اور مٹھی بھر سربوں کی جارحیت پر مہربلب ہے ۔ حالانکہ اسی صدی کے اوائل میں جب ریاست ہائے بلقان میں جنگ ہورہی تھی اور مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے ۔ یہی مسلمان تھے جنھوں نے اپنے ان یورپین مسلمان بھائیوں کیلئے اپنا تن من دھن لٹا دیا تھا ۔ خصوصاً برصغیر کا چپہ چپہ برادران اسلام کیلئے مضطرب تھا ۔ ان کے حق میں تحریکیں چل رہی تھیں اور انگریزحکومت کو بہت پریشان کردیا تھا ۔ لیکن آج صرف خال خال ہی ان کاذکر ہورہا ہے ۔ وہ بھی صرف چند اخبارات ورسائل کے صفحات پر ۔ معلوم نہیں مسلم امہ کے دلوں کے صفحات پر کب دردوکرب کی سرخی ابھرے گی ۔ اور کب احساس وفرض کے جلی عنوان قائم ہونگے ۔

طالبان کی اہم کامیابی فتح صوبہ فاریاب

الحمدللہ خداوندتعالیٰ کی نصرت وامداد اور تحریک طالبان کے جواں حوصلوں کی بدولت صوبہ فاریاب بھی اسلامی حکومت کے زیر نگین آگیا اور اب وہاں پر بھی شریعت کی بہاریں روح وجاں کو معطر کرینگی۔ یہ صوبہ پہلی مرتبہ طالبان کے قبضہ میں آیا ہے۔یہ علاقہ مخالفین کا ایک بڑا بیس کیمپ تھا۔ اور پھر پڑوسی ملک ایران کا بھی یہاں پر کافی عمل دخل تھا۔جسکا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قبضہ کے دوران بھاری تعداد میں ایرانی ساخت کا اسلحہ طالبان کے ہاتھ لگا ہے۔جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ایران مخالفین کی ہر طرح مدد کررہا ہے۔ انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب باقی دوتین صوبوں پر بھی اسلامی پرچم لہرائے گا۔

دارالعلوم حقانیہ و ماہنامہ الحق کی جانب سے ایک اہم وضاحت

دارالعلوم حقانیہ اور ماہنامہ" الحق" وضاحت ضروری خیال کرتا ہے کہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ایک خالص علمی اور دینی پلیٹ فارم ہے اس کا دائرہ کار صرف تعلیم وتعلم اور اصلاح وتربیت تک ہے۔ اس ادارے کا کسی بھی فلاحی ادارہ یا تنظیم سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے نہ کبھی ماضی میں جہاد افغانستان کےدوران اورنہ حالاً ادارہ کی طرف سے کوئی ویلفئیر ٹرسٹ قائم ہے اور نہ دارالعلوم اس کی سرپرستی کررہا ہے۔ اس سلسلے میں عرصہ دراز سے دارالعلوم حقانیہ اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کو خطوط اور پیغامات ملک وبیرون ملک سے موصول ہورہے ہیں کہ " حقانی ملی ٹرسٹ" دارالعلوم حقانیہ کی زیرسرپرستی چل رہا ہے یا علیحدہ کوئی فلاحی ادارہ ہے؟ اصل صورتحال یہ ہے کہ دارالعلوم کوحقانی ملی ٹرسٹ کےبارےمیں علم ہے اورنہ مولاناعبدالقیوم حقانی کا مدرسہ کے ساتھ کوئی ربط وتعلق ہے۔ مولانا حقانی صاحب گذشتہ دو سالوں سے دارالعلوم سے چلے گئے ہیں ان کی جملہ سرگرمیوں سے حضرت مولانا مدظلہ اور دارالعلوم حقانیہ کا کوئی تعلق نہیں۔ ماہنامہ الحق ومؤتمرالمصنفین سے بھی ان کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ نیز دارالعلوم کا ادارۃ العلم والتحقیق سے بھی کوئی وابستگی نہ تھی اور نہ ہے۔ اگر کوئی صاحب مولانا حقانی صاحب سے خط وکتابت کرنا چاہے تو ان سے براہ راست رابطہ رکھیں اور اگر ماہنامہ "الحق" کیلئے کسی قسم کا مضمون، مقالہ یا دیگر مراسلت وغیرہ ہوتو دارالعلوم حقانیہ کے پتہ پر ماہنامہ الحق کے مدیراعلیٰ اور مدیر کے نام براہ راست ارسال کی جائے۔

قسط نمبر ۳

جناب مولانا محمد شہاب الدین ندوی صاحب

انبیاءؑ کا مشن اور علماء کی ذمّہ داریاں

اور عصر جدید میں رسالتِ محمدیؐ کا نیا اعجاز

۶۔ قرآن اور جدید انکشافات :- اوراب جہاں تک سائنسی علوم کی تغیرپذیری کا تعلق ہے تو یہ ایک بے بنیاد شبہ بلکہ ایک واہمہ ہے، جو ان علوم سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ سائنسی حقائق جو تجرباتی ہونے کی بنا پر "استقرائے تام" کے درجے میں ہوں وہ کبھی نہیں بدلتے۔ یعنی وہ تجرباتی حقائق جو بار بار کے تجربوں کے باعث یکساں نتائج کے حامل ہوں اور ان کو اصطلاح میں "قوانین قدرت" (لاز آف نیچر) کہا جاتا ہے اور یہ قوانین اسباب وعلل کے تابع ہوتے ہیں۔ چنانچہ طبعی اعتبار سے جب بھی کوئی "علت" ظاہر ہوگی تو اس کے نتیجے میں ایک "معلول" وجود میں آئے گا اور ان دونوں میں لزوم کا پایا جاتا ہے۔ مثلاً آگ جلاتی ہے کیونکہ اس میں گرمی وتپش کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح پانی آگ بجھاتا ہے، پیاس بجھاتا ہے، کھانا ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے، گندگی دور کرتا ہے۔ زہر کھانے سے موت واقع ہوجاتی ہے۔ بدن میں چاقو چبھونے سے خون نکلتا ہے، زور کی مار سے درد ہوتا ہے، روٹی کھانے سے بھوک رفع ہوتی ہے، گندگی پھیلانے سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو چند سادہ مثالیں ہیں مگر سائنس دان مظاہر فطرت کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرکے انتہائی باریک بینی کے ساتھ ایسے طبعی وحیاتیاتی "قوانین" یا "علت ومعلول" کی کارفرمائیاں دریافت کرتے ہیں جو ایک عام آدمی کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں۔ اور یہ قوانین وضوابط دو قسم کے ہیں، پہلی قسم اشیائے عالم کی بناوٹ اور ان کی ساخت و پرداخت سے متعلق ہے اور دوسری قسم ان اشیاء کے باہمی "ربط وتعلق" یا "علت ومعلول" کے تحت ہے چنانچہ ان دونوں کے بعض حقائق بالترتیب بیان کئے جاتے ہیں۔ خوردبینی مشاہدات کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں نہایت درجہ باریک اجزاء سے مل کر بنی ہوئی ہیں جن کو عناصر کہا جاتا ہے اور یہ تعداد میں ۹۲ ہیں۔ جیسے ہائیڈروجن، آکسیجن، کاربن، نائٹروجن، کیلشیم، فاسفورس، کلورین، سلفر، پوٹاشیم، سوڈیم میگنیشیم، لوہا، ایوڈین اور سلیکون وغیرہ وغیرہ اور یہ عناصر عالم مادی کی بنیادی اینٹیں ہیں جن سے موجودات عالم کی تشکیل وترکیب عمل میں آئی ہے۔ چنانچہ مٹی، پانی اور ہوا میں ہر جگہ یہی عناصر پائے

جاتے ہیں جو طاقتور خوردبینوں سے نظر آتے ہیں۔ اور جمادات، نباتات اور حیوانات سب کی تشکیل میں انہی کا وجود دکھائی دیتا ہے جس طرح حروف تہجی سے الفاظ، الفاظ سے جملے اور جملوں سے بامعنی عبارتیں اور کتابیں وجود میں آتی ہیں بالکل اسی طرح ان مفرد عناصر سے مرکبات یا سالمات، سالمات سے خلیے خلیوں سے اعضاء اور اعضاء سے اجسام (حیوانات ونباتات) متشکل ہوتے ہیں۔ یوں تو کارخانہ قدرت میں ۹۲ عناصر پائے جاتے ہیں مگر حیوانات ونباتات کی تشکیل صرف چودہ عناصر سے عمل میں آئی ہے جو اوپر مذکور ہیں۔ پانی، ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ پانی کا ایک "سالمہ" (مالےکیول) ہائیڈروجن کے دو جوہروں اور آکسیجن کے ایک جوہر سے مل کر بنا ہوا ہے۔ ہوا کی تشکیل میں ۴/۵ حصے نائٹروجن اور ۱/۵ حصہ آکسیجن نے حصہ لیا ہے۔ کھانے کا نمک سوڈیم اور کلورین کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ نمک کے ایک سالمے میں ان دونوں عناصر کا ایک ایک جوہر پایا جاتا ہے اور ہم جو غذا کھاتے ہیں وہ ہائیڈروجن، آکسیجن، کاربن اور نائٹروجن کا "مرکب" ہے۔ چنانچہ سائنسی تجربہ گاہوں میں مادی اشیاء کی تحلیل وتجزیہ سے یہ تمام حقائق ثابت شدہ ہیں۔ الل ٹپ نہیں بلکہ ان میں بے مثال "حساب دانی" کا مظاہرہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ عالم موجودات میں ہرچیز ایک مخصوص مقدار اور مخصوص انداز میں درج شدہ ہے۔ علم کیمیا کی ان تمام تفصیلات کا مطالعہ کرنے کے بعد جب ہم قرآن عظیم پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں کہ یہ سارے حقائق حسب ذیل ربانی کلیات کی تشریح وتفسیر کرنے والے دکھائی دیتے ہیں: "وکل شیٔ عندہ بمقدار" (اور اس کے نزدیک ہرچیز ایک خاص مقدار کے ساتھ ہے۔ (رعد: ۸) "انا کل شیٔ خلقناہ بقدر" (ہم نے ہرچیز ایک خاص اندازے سے پیدا کی ہے۔(قمر: ۴۹)۔ ان آیات کے ملاحظہ سے یہ بے غبار حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اس کلام حکمت میں ہر چیز کا "بیان" اور ہرچیز کی "تفصیل" موجود ہے۔ اس اعتبار سے تحقیقات جدیدہ کے باعث قرآنی صداقتوں پر آنچ نہیں آتی بلکہ اس کے برعکس اس کے اسرار ومعارف کھلتے چلے جاتے ہیں۔ بس ان کے استنباط کیلئے دیدہ بینا کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ علم کیمیا کے تفصیلی مطالعہ سے نقاش فطرت کے "تخلیقی عجائب" اور اس کی "جادوگری" کے کمالات سامنے آتے ہیں جو ہمارے فکرونظر میں جلاپیدا کرنے کا باعث ہیں۔ الغرض فن علم کیمیا اور طبیعیات کے بیشتر اصول وضوابط دو اور دو، چار کی طرح بالکل واضح ہیں۔ اور یہ علوم چونکہ تجرباتی ومشاہداتی ہیں اس لئے ان علوم کے ذریعہ ثابت شدہ "حقائق" شرعی وعقلی دونوں اعتبار سے قابل حجت ہیں۔ ان علوم کے ذریعہ مادہ اور توانائی کے اسرارو عجائب کا کھوج لگایا جاتا ہے اور قوانین قدرت (قوانین ربوبیت) دریافت کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ دنیا بھر کی سائنسی تجربہ گاہوں میں دن رات ان پر تحقیق ہورہی ہے اور ہزاروں لاکھوں سائنسدان مصروف عمل ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا نقطہ نظر اگرچہ خالص

مادی ہے مگر انجانے پن میں وہ خلاق عالم کی صفت "تکوین" یا تخلیق کے مختلف پہلوؤں کو واضح کررہے ہیں۔ اسلیئے آج ہر نئی "تحقیق" علام الغیوب کی صفت "علم" کے نئے نئے جلوؤں کو سامنے لارہی ہے۔ چونکہ علم اور تکوین اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی میں داخل ہیں اسلیئے اللہ تعالیٰ نے اپنی "شناخت" کیلئے مظہری طور پر ان دونوں صفات کی جلوہ نمائی کرائی ہے۔ چنانچہ صحیفہ فطرت (کائنات) اس کی صفت تکوین کی مظہر اور صحیفہ حکمت (قرآن) اس کی صفت علم کا نمائندہ ہے اور ان دونوں کی تطبیق سے ذات باری تعالیٰ اور اس کے تمام صفات کا جلوہ ظاہر ہوجاتا ہے۔ اس اعتبار سے رب العالمین کی یہ عجیب وغریب منصوبہ بندی ہے کہ اس نے اپنی ذات وصفات کی نقاب کشائی کے لئے خود منکرین حق کو اس کام پر مامور کیا ہے۔ لہذا آج اہل اسلام کو اس میدان میں کام کرنے کا ایک سنہرا موقع ہاتھ آگیا ہے مگر اسکے باوجود آج ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں تو اس سے زیادہ محرومی اور کیا ہوسکتی ہے؟۔

۷۔ **تجرباتی علوم اور ان کے حدود وضوابط:۔** یہ تھی اشیائے عالم کی خلقت اور ان کی ساخت پر ایک اجمالی نظر اور اب جہاں تک علت ومعلول کی کارفرمائی کا تعلق ہے تو آج دنیائے سائنس نے ایسے بہت سے "خفیہ اسباب" کا پتہ لگالیا ہے جو ایک عام آدمی کے مشاہدہ میں نہیں آتے۔ اور یہ اسباب وعلل دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو نظام قدرت میں پائی جاتی ہے اور جسمیں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ چنانچہ اگر وہ چاہے بھی تو قدرت کے اس نظام کو بدل نہیں سکتا اور اسمیں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرسکتا۔ بلکہ نظام فطرت یا نظام ربوبیت کی پابندی ہر شخص پر ضروری ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا سائنس دان کیوں نہ ہو بالفاظ دیگر دنیا کے تمام سائنس دان مل کر بھی علت ومعلول کے سلسلے کو بدل نہیں سکتے اور دوسری قسم وہ ہے جو انسان کی دسترس میں ہے یعنی انسان قوانین ربوبیت کی باریکیوں سے آگاہ ہوکر جو فنی اور تکنیکی کمالات (ٹیکنالوجی کے میدان میں) دکھا رہا ہے وہ انہی خفیہ الباب وعلل کے تابع ہیں۔ گویا کہ اس نے مادہ اور توانائی کے "بھیدوں" سے آگاہ ہوکر فنی میدان میں ان سے مستفید ہونے کا گر معلوم کرلیا ہے اور اس لحاظ سے بھی وہ گویا کہ نظام فطرت ہی کی پیروی کررہا ہے نہ کہ فطرت کے قوانین سے آزاد ہوکراس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیئے ورنہ عام طور پر لوگوں کو اشتباہ ہوجاتا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ایک سائنس دان جوچاہے کرسکتا ہے جبکہ اس قسم کا عقیدہ اسلامی نقطہ نظر سے کھلا ہوا شرک ہے۔ سائنسی یا انسانی کمالات کی ایک حد ہے جسکے باہر وہ جا نہیں سکتا اور جو چاہے کر نہیں سکتا۔ غرض اس موقع پر ان دونوں اقسام پر مختصر گفتگو کی جاتی ہے اور قدرتی اسباب وعلل کی دو مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱)۔ مسلسل تجربات کے بعد منکشف ہوا ہے کہ حیوانات ونباتات باہم آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کا تبادلہ کرتے ہیں اور دونوں کے آپسی تبادلے ہی کے باعث فضا میں موجود آکسیجن کا تناسب قائم رہتا ہے۔ چنانچہ حیوانات سانس کے ذریعہ آکسیجن اپنے جسموں کے اندر داخل کرتے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ باہر نکالتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس نباتات کاربن ڈائی آکسائیڈ اخذ کرکے آکسیجن خارج کرتے ہیں اور یہ ایک عجیب وغریب مظہر ربوبیت ہے اگر یہ دوطرفہ عمل نہ ہوتا تو تمام حیوانات کا وجود خطرہ میں پڑجاتا۔ کیونکہ حیوانات بغیر آکسیجن کے زندہ نہیں رہ سکتے اور یہ مظہر ربوبیت خلاق عالم کی صفت " رحمانیت" کی بہت بڑی دلیل ہے۔

(۲)۔ اسی طرح نباتات جو غذا تیار کرتے ہیں وہ بھی کرشموں سے بھرپور ایک مظہر ربوبیت ہے جس کی صحیح حقیقت وکیفیت سمجھنے سے انسان عاجز ہے۔ چنانچہ غذا کی تیاری کا عمل نباتات کی پتیوں میں ہوتا ہے اور پتیوں میں ہرے رنگ کے ننھے ننھے ذرات ہوتے ہیں اور پتیاں انہی ذرات کی بناء پر ہری دکھائی دیتی ہیں۔ چنانچہ خوردبین سے دیکھنے پر پتہ چلا ہے کہ ان ہرے ذرات کے درمیان کافی حدتک خالی جگہ ہوتی ہے جو بےرنگ ہوتی ہے۔ غرض پتیوں میں موجود یہ ذرات جڑوں کی مدد سے حاصل شدہ پانی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کے ذریعہ حاصل شدہ کاربن کو لے کر سورج کی روشنی کی مدد سے (روشنی کے ذرات، یعنی فوٹانوں کو اپنے اندر جذب کرکے) اور ان تینوں کو " آمیزہ" کرکے ایک خوشگوار اور خوش ذائقہ مادہ تیار کرتے ہیں جسے علم نباتات کی اصطلاح میں " موادنشائیہ" (کاربوہائیڈریٹ) کہاجاتا ہے۔ (۱) اور یہ کسی بھی غذائی مادہ (چاول، گیہوں، جوار، باجرہ اور مکئی وغیرہ) اور کسی بھی پھل اور میوے کا بیشتر حصہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے نباتات غذائی " فیکٹریاں" ہیں جو مسلسل مصروف عمل رہ کر انسان اور دیگر حیوانات کے لئے غذا تیار کرتے ہیں۔ اگرخالق کائنات نباتات کا یہ سلسلہ جاری نہ کرتا تو روئے زمین پر کسی انسان یا حیوان کا وجود نہ ہوتا۔ غرض تمام مظاہر فطرت آپس میں علت ومعلول کے مضبوط ترین رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور ان اسباب وعلل کا تعلق چاند سورج کی کارفرمائیوں سے بھی ہے اور ہوا اور بارش کے نظاموں سے بھی۔ خشکی وسمندر سے بھی ہے اور کہساروں اور آبشاروں سے بھی، طب وصحت سے بھی ہے اور ماحولیات سے بھی۔ اس کائنات مادی کا کوئی بھی مظہر فطرت علت ومعلول کی زنجیروں سے آزاد یا " خودمختار" نہیں ہے۔ اس اعتبار سے ربوبیت ایک مکمل اور ہمہ گیر مشین کے طور پر کام کررہی ہے جو توحید باری کی ایک روشن ترین دلیل ہے اور جس میں کہیں بھی " بخت واتفاق" کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا۔ اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ انسان اشیائے عالم کے جو بھی اسباب وعلل

(۱) اس موضوع پر تفصیلی بحث کیلئے راقم سطور کی کتاب "قرآن حکیم اور علم نباتات" دیکھی جائے۔

دریافت کررہا ہے وہ محض ان کی ظاہری کارکردگیوں سے متعلق ہیں۔ مگر وہ ان کی باطنی کیفیت اور ان کے باطنی احوال وکوائف کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ اس حقیقت کو تمام سائنس دان اور تمام فلاسفہ تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسانی علم صرف "ظواہراشیاء" (فیومینا) تک ہی محدود ہے وہ" بواطن اشیاء" (نومینا) سے کسی بھی طرح واقف نہیں ہوسکتا۔ گویا کہ دنیائے سائنس کا علم اشیاء کے ظاہری ڈھانچے سے تعلق رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر خود اوپر بیان کردہ مثال ہی کو لیجئے دنیائے سائنس نے اس بات کا تو پتہ چلا لیا کہ مواد نشائیہ کی تیاری درختوں اور پودوں کی پتیوں میں ہوتی ہے اور ان میں موجود ہرے رنگ کے ذرات یہ عمل کرتے ہیں مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ یہ ذرات سادہ پانی اور کاربن کو لیکر یہ میٹھا اور خوشگوار مواد کس طرح تیار کردیتے ہیں؟ اور اس عمل میں حقیقتاً کونسا میکانزم کام کرتا ہے؟ چنانچہ ایک سائنس دان بڑی حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ افسوس کہ ہم پتیوں کے اس اندرونی میکانزم کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

Unfortunately, we do not understand the machonism of this process. (Cell Physiology and Biochemistry, william D Meelroy, P.111, Fifth Indian Reprint, 1978)

غرض انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جو کارنامے انجام دیتا ہے وہ قابل فہم اور قابل تفہیم ہوتے ہیں مگر ربوبیت کا کوئی بھی فعل قابل تفہیم وتوجیہہ نہیں ہوتا۔ گویا کہ "افعال الٰہی" حیرتوں اور کرشموں سے بھرپور ہوتے ہیں۔ چنانچہ لفظ "الٰہ" کے لغوی معنی ایسی ہستی کے ہیں جو اپنے افعال میں حیرت انگیز ہو (۲) اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ باری تعالیٰ کی ربوبیت "الوہیت" کے روپ میں جلوہ گر ہے گویا کہ ربوبیت کے افعال "حیرت انگیزیوں" سے بھرپور ہیں، جن کی کنہ وحقیقت کا ادراک کرنے سے انسان قاصر ہے۔ قرآن عظیم میں انسان کو "علم قلیل" دیے جانے کا جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ اسی اعتبار سے ہے جو ایک ابدی وسرمدی حقیقت ہے اور یہ حقیقت کبھی بدل نہیں سکتی۔ بہرحال یہ چند قدرتی اسباب وعلل کا ایک تذکرہ اور ان پر ایک مختصر تبصرہ تھا۔ اب فنی وتکنیکی اعتبار سے یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان کی طرف آئیے اور انسان اس میدان میں جو زبردست کارنامے انجام دے رہا ہے ان کا جائزہ لیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ وہ بھی اسباب وعلل ہی کے تابع ہیں۔ ان سے آزاد نہیں۔ چنانچہ آج کا انسان مادہ وتوانائی کے خفیہ اسرار کا (ظاہری اعتبار سے) پتہ چلاکر بروبحر کو مسخر کرچکا ہے۔ طب وصحت کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرچکا ہے۔ مصنوعی غذائیں تیار کرکے اپنی "کیمیاگری" کے

(۲). دیکھئے "النھایۃ فی غریب الحدیث" ابن اثیر ۱/۴۳ بیروت نیز لسان العرب، ابن منظور، ۴۶۷/۱۳ بیروت

جلوے دکھارہا ہے۔ اشیاء وعناصر کی "قلب ماہیت" کر کے نئے نئے "مرکبات" مارکیٹ میں لارہا ہے۔ لیزر شعاؤں کو دریافت کر کے محیرالعقول کارنامے انجام دے رہا ہے، ایکسرے شعاؤں کے ذریعے اشیاء کے اندرون میں جھانک رہا ہے، کمپیوٹر سائنس میں ترقی کر کے پوری دنیا کو اپنی مٹھی میں کرچکا ہے۔ ڈھیر سارے الیکٹرونکس اشیاء ایجاد کر کے ایک نئے تمدن کو جنم دے چکا ہے۔ مصنوعی سیاروں کے ذریعہ ذرائع مواصلات کو بہتر سے بہتر بنانے میں ایک حیرت انگیز انقلاب لاچکا ہے۔ جس کی بدولت آج پوری دنیا سکڑ کر ایک چھوٹے سے شہر کے مانند بن گئی ہے۔ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تیار کر کے کمزور قوموں کو ڈرا دھمکا رہا ہے۔ راکٹوں اور خلائی جہازوں کی مدد سے کرہ ارض سے نکل کر چاند کو مسخر کرچکا ہے اور اب مریخ ومشتری پر ڈورے ڈال رہا ہے اور پھر زمین پر بیٹھے بیٹھے مریخ کی سطح کا مطالعہ اس طرح کر رہا ہے گویا کہ وہ بذات خود وہاں چل کر مشاہدہ کر رہا ہو۔ غرض یہ سارے سائنسی کمالات علت ومعلول کے تابع اور چند طبعی ضوابط کے پابند ہیں جو خلاق عالم کے پیداکردہ ہیں اور موجودہ انسان انہی تمام ضوابط سے آگاہ ہوکر یہ سب کچھ کر رہا ہے گویاکہ وہ اس کرہ ارض کی "مادی خلافت" پر قابض ہوچکا ہے مگر آج کے مسلمان ہیں کہ ان قوانین ربوبیت کا مطالعہ کر کے ترقی یافتہ قوموں کے ہم پلہ ہونے اور فوجی وسیاسی اعتبار سے "طاقت" کے توازن کو برابر رکھنے کے بجائے نہ صرف ان علوم کی کارفرمائی سے ناواقف ہیں بلکہ انہیں "تغیرپذیر" علوم قرار دے کر ان سے چھوت چھات برت رہے ہیں۔ اور اس اعتبار سے وہ دینی ودنیوی دونوں حیثیتوں سے گھاٹے میں ہیں ان تجرباتی علوم سے جب تک بیگانگی رہے گی، ہماری "بے چارگی" دور نہیں ہوسکتی۔ جو قوم یا جو ملت حقائق کی دنیا سے منہ موڑ کر کاہلوں کی طرح زندگی بسر کر رہی ہو اس کی مدد کوئی نہیں کرتا۔ یہ دنیا کش مکش اور مقابلہ آرائی کی دنیا ہے جو سخت محنت چاہتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات اسباب وعلل کے تحت پیدا کی ہے اور اس دنیا کا ذرہ ذرہ اسباب وعلل کی زنجیروں میں بندھا ہوا ہے۔ اسلام نے اسباب وعلل کو یکسر نظرانداز کرنے کی تعلیم نہیں دی۔ لہذا اسباب وعلل کو نظرانداز کر کے جو قوم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جائے وہ زندگی کے میدان میں ہمیشہ مار کھاتی رہے گی۔ اور غالب قومیں اسے نوالہ تر سمجھ کر آسانی کے ساتھ مغلوب کرلیں گی جیساکہ آج امت مسلمہ کا حال زار ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں اپنا یہ ابدی فیصلہ بہت پہلے اس طرح سنا چکا ہے۔

"وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لایکونوا امثالکم" (اگر تم منہ موڑ لوگے تو وہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے) (محمد: ۳۸)۔ یہ آیت کریمہ کار خلافت اور انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے جو اسلام کا ایک بنیادی ہدف ہے۔

۸۔ معجزہ رسولؐ کی نئی تجلیاں:- اللہ تعالیٰ کی سنت ہر دور میں یہ رہی ہے کہ عصری علوم کا زور توڑنے کیلئے انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات بھی عصری ذہنیت ہی کے مطابق دیئے گئے ہیں۔ کسی دور مین جادو کا زور تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے ملتا جلتا معجزہ دے کر بھیجا گیا۔ کسی دور میں طب کا غلبہ تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی قسم کا معجزہ دیا گیا۔ مگر پیمبرآخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتابی شکل میں ایک ایسا معجزہ عنایت کیا گیا جو کسی ایک اعتبار سے نہیں بلکہ متعدد اعتبارات سے ایک حیرت انگیز معجزہ ہے اور چودہ سوسال گزرجانے کے باوجود وہ نئے نئے انداز سے اپنے جلوے دکھارہا ہے اور ہر دور کی ذہنیت کا توڑ کررہا ہے۔ آج چونکہ جدید علوم وفنون اور جدید فلسفوں کا دوردورہ ہے تو وہ اس میدان میں بھی پیچھے نہیں ہے بلکہ وہ آج بھی ان علوم اور فلسفوں کے مقابلے میں ایک زبردست معجزہ کے طور پر جلوہ افروز نظر آرہا ہے اور الحادی فلسفوں کی سرکوبی کرکے دین الہیٰ کا بول بالاکرنے کی استعداد رکھتا ہے۔

انبیاء کرامؑ کو جو بھی معجزہ عطا کیا جاتا ہے وہ " دلیل رسالت " کےطور پر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ معجزہ کو دیکھ کر انؑ کے برحق ہونے کا اعتبار اور دین الہیٰ کا اتباع کریں۔ چنانچہ ایک حدیث میں سنت الہیٰ کی اس حکمت اور اس کے فلسفے پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

" مامن الانبیاء من نبي الاقد اوتی من الآیات مامثلہ آمن علیہ البشر وانما کان الذی اوتیت وحیاً اوحی الیّ "

ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا تھا جس پر لوگ ایمان لائے۔ مگر مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ (خدا کی) وحی ہے جو مجھے عنایت کی گئی ہے۔ (۳)۔ اس اعتبار سے " وحی الہیٰ " رسالت محمدیؐ کا سب سے بڑا اعجاز اور سب سے بڑا معجزہ ہے۔ فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے بھی اور ہدایت ورہنمائی کے اعتبار سے بھی اور اسی طرح وہ انسانی معاشرہ کےلئے درکاراحکام ومسائل کی جامعیت اور عقلی ومنطقی دلائل کے لحاظ سے بھی ایک معجزہ ہے لیکن ان تمام اعتبارات کے علاوہ وہ عصرجدید کے علوم وفنون کے مقابلے اور ان کی شکست وریخت کے لحاظ سے بھی ایک زبردست اور بےمثال معجزہ دکھائی دیتا ہے اور اس کا یہ معجزہ اور علمی اعجاز " وحی الہیٰ " ہے، جس کا تفوق آج عصری علوم کے مقابلے میں ظاہر ہورہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج جدید سے جدید تر تمام سائنسی علوم اپنی ہی تحقیقات کے زور میں وحی الہی کی تصدیق وتائید کررہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وحی الہیٰ کے سامنے سرنگوں ہوکر سجدہ ریزیاں کررہے ہیں اور اس قسم کے عجیب وغریب معجزہ کا نظارہ

(۳)۔ صحیح مسلم: ۱/۱۳۴، مطبوعہ ریاض، مسند احمد: ۲/۳۴۱، بیروت۔

چشم فلک اب تک نہیں کرسکا ہے جو دین وشریعت کی تاریخ میں انتہائی نرالا ہے۔ غرض رسالت محمدیؐ کی حقانیت پر دلالت کرنے والا یہ معجزہ (کلام الہیٰ) محض اس کی فصاحت وبلاغت یا اس کے کسی اور وصف تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ ایک زندہ اور لازوال معجزہ ہے۔ معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سنت الہیٰ کے مطابق متعلقہ دور کے لوگوں کو متاثر کرے تاکہ وہ اس کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کریں۔ اس اعتبار سے معجزہ دراصل وہ "فوق الطبیعی کرشمہ" ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے وجود کی "خبر" دینے یا عالم انسانی کو متنبہ کرنے کی غرض سے اپنے مخصوص بندوں (رسولوں) کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ازلی سنت ہے جو ہمیشہ سے جاری ہے۔ اس خدائی حکمت وفلسفے کا تقاضا یہ تھا کہ عصرجدید میں بھی کوئی نیا معجزہ ظہور میں آئے کیونکہ عصرجدید پر قرآن مجیدؔ کی فصاحت وبلاغت حجت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ موجودہ دور کے لوگ اس کی فصاحت وبلاغت سمجھنے سے قاصر ہیں اور اس باب میں عجمی تو عجمی خودعربی زبان کے جاننے والوں کا بھی یہی حال ہے "الاماشاء اللہ" اور پھر علمائے بلاغت کی رائے کے مطابق قرآنی بلاغت کی تفہیم وتشریح کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ذوقی چیز ہے۔ (۴)۔ اس لحاظ سے معجزہ وہ ہونا چاہئیے جسے تمام لوگ سمجھ لیں یا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، اسی لئے قرآن عظیم کو ہردور کیلئے اور ہر اعتبار سے معجزہ بنایاگیا تاکہ اس کے اعجاز کا کسی بھی دور میں انکار نہ کیا جاسکے۔ چنانچہ اس کتاب حکمت کا جب بھی کوئی ایک روپ لوگوں کی نظروں سے (عصری علوم ومسائل کے لحاظ سے) اوجھل ہونے لگتا ہے تو اس کا دوسرا اور نیا روپ سامنے آجاتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو متاثراور مبہوت کرسکے۔ یہی وہ سنت الہیٰ ہے جو ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ اس موقع پر ایک اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کی فصاحت وبلاغت کے علاوہ اس کی اور بھی تودیگر خصوصیات موجود ہیں جیسے اس کی ہدایت ورہنمائی اس کے احکام کی جامعیت اور اس کے عقلی ومنطقی دلائل وبراہین وغیرہ جن کے ملاحظہ سے عصرجدید کا انسان ایمان لاسکتا ہے۔ لہذا اس کے اثبات کے لئے قرآن اور عصری علوم کی تطبیق ہی کیوں ضروری ہے؟ تو اس کا جواب کئی طریقوں سے دیا جاسکتا ہے، اول یہ کہ حدیث شریف میں "وحی الہیٰ" کا جو تذکرہ ہے وہ اس جدید معجزہ یا معجزہ رسول کے جدید روپ کے عین مطابق ہے، یعنی اس مظاہرہ حق کے ذریعے دراصل وحی الہیٰ کا اعجاز ثابت کرنا ہے جو قرآن اور جدید تجرباتی علوم کی تطبیق کے باعث ظاہر ہورہا ہے۔ چنانچہ اس سے یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح بخوبی ثابت ہوجاتی ہے کہ علم صرف وہی نہیں جو حواس اور عقل کے ذریعہ ثابت ہوتا ہو، بلکہ علم وہ بھی ہے جو "وحی الہیٰ" کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے اور وحی الہیٰ علم کا ایک محفوظ اور بے خطاماخذ ہے۔

---

(۴)۔ دیکھئے "الاتقان فی علوم القرآن" ازجلال الدین سیوطی، ۱۵۳/۲، مطبوعہ مصر۔

بالفاظ دیگر انسانی علم اور اس کے نظریات بدل سکتے ہیں اور ان میں ارتقا ہوسکتا ہے مگر وحی الہیٰ نہ تو بدل سکتا ہے اور نہ اس میں ارتقا کا کوئی سوال ہی پیدا ہوسکتا ہے۔ بلکہ وہ پتھر کی ایک لکیر کی طرح ہمیشہ اٹل رہے گا اور اس کی صداقت ہر دور میں ظاہر ہوتی رہے گی جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وتمت کلمت ربک صدقاً وعدلاً، لا مبدل لکلمتہ " (اور تیرے رب کی بات پوری ہوئی، سچائی کے لحاظ سے بھی اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا (۔ (انعام: ۱۱۰)

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ عصرجدید کا انسان اور اس کے فلسفے چونکہ صرف سائنسی علوم کو " معیارحق " قرار دیتےہوئے مطالبہ کرتےہیں کہ جملہ " اقدار " کی تفہیم وتوجیہہ محسوساتی علوم یا "ثابت شدہ " حقائق کی روشنی میں کی جائے۔بالفاظ دیگر عصری فلسفے مذہبی یا عمرانی علوم کی کسی ایسی حقیقت کو ماننے کیلئے تیار نہیں جو سائنسی اعتبار سے ثابت شدہ نہ ہو۔ لہذا " کلموا الناس علی قدر عقولھم " (لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کرو) کے اصول کی روسے ہر شخص سے اس کے علوم اور اس کی ذہنیت ونفسیات کے مطابق گفتگو کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس اصول کی وضاحت بعض احادیث میں اس طرح آئی ہے: حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت اس طرح مروی ہے: " امرنا ان نتکلم الناس علی قدر عقولھم " (ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کریں) (۵)۔ اور حضرت علیؓ سے اس طرح منقول ہے: " حدثواالناس بما یعرفون۔ اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ " (لوگوں سے ان کے جانے بوجھے مسائل کے ذریعہ گفتگو کرو) (چنانچہ مخاطب کے نامعلوم مسائل کے ذریعہ گفتگو کرکے)کیا تم یہ چاہتے ہوکہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے ؟)(۶)۔

اس اعتبار سے داعیان اسلام پر لازم آتا ہے کہ وہ جدید علوم ومسائل سے آگاہ ہوکر عصرجدید کی ذہنیت کے مطابق خداوندقدوس کی حجت پوری کریں اور اس تطبیق سے قرآنی نظریہ علم کا اثبات وقت کی ایک بہت بڑی ضروری ہے اور اس سلسلے میں تیسری حقیقت یہ ہے (جیساکہ آغاز بحث میں اس کی تفصیل گزرچکی ہے)کہ اس تطبیق کے ذریعہ " اختلاف بین الناس " کے درمیان محاکمہ بھی ہوجائے گا۔ جب تک فیصلہ ومحاکمہ نہ ہوجائے خدائی منطق مؤثر نہیں ہوسکتی۔ لہذا انسان کو قائل کرانے اور اس کی فکری غلطی واضح کرنے کی غرض سے یہ اقدام کیاگیا ہے تاکہ وہ دلیل واستدلال کے میدان میں ہتھیار ڈال دے۔ اسی لئے حاملین قرآن کو حکم ہے کہ وہ منکرین حق کے ساتھ علمی بحث ومباحثہ کرکے ان پر انہی کے " معارف " کے ذریعہ اتمام حجت کردیں۔ جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۵). کنزالعمال: ۱۰ / ۱۴۳، مطبوعہ حیدرآباد (۶). ایضاً ۱۰ / ۱۴۶

" ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن "
(لوگوں کو) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ ۔ (اور جو اس سے انکار کریں) ان کے ساتھ بہترین طریقے سے مباحثہ کرو) (نحل : ۱۲۵) ۔ چنانچہ مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں دعوت دین کے جو طریقے بتائے گئے ہیں ان میں اصل طریقے صرف دو ہیں :
(۱) حکمت سے مراد یہ ہے کہ اہل علم کے ساتھ دلائل کی روشنی میں گفتگو کی جائے (۲) اور عوام سے وعظ ونصیحت کےطور پر خطاب کیا جائے مگر جو لوگ ان دونوں طریقوں سے رام نہ ہوں ان سے بحث ومباحثہ کیا جائے اور ان کے سامنے علمی دلائل وبراہین رکھے جائیں بلکہ ان " حقائق " (مشہور مقدمات) کو بنیاد بناکر گفتگو کی جائے جو خود ان کے نزدیک معتبر ہوں (۷) ۔ اس لحاظ سے آج جدید علوم ومسائل ہمارے اور منکرین حق کے درمیان گفتگو کا موضوع بن سکتے ہیں اور خود انہی کی تحقیقات کے ذریعہ ان پر اتمام حجت ہوسکتی ہے ۔ کیونکہ تحقیقات جدیدہ میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو دین کے خلاف ہو بلکہ جدید سے جدید تر تمام حقائق ومعارف اسلامی عقائد (اصول دین) کی تصدیق وتائید میں صف باندھے کھڑے ہیں اور یکے بعد دیگرے اپنی شہادت پیش کرتے ہوئے دین الہیٰ کی حقانیت پر مہرتصدیق ثبت کررہے ہیں ۔ عصرجدید میں اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب وغریب حکمت ومنصوبہ پوری طرح روشنی میں آچکی ہے جو معجزہ رسول کا ایک تابناک اور حیرتناک مظہر ہے ۔ لہذا حاملین قرآن کو جدید علوم وفنون سے خوف کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ۔ " خلق اللہ السموٰت والارض بالحق ، ان فی ذلک لآیۃً للمؤمنین "
اللہ نے زمین اور آسمانوں کو حقانیت (حکمت ومنصوبہ بندی) کے ساتھ پیدا کیا ہے ۔ (چنانچہ ان مظاہر میں) اہل ایمان کےلئے ایک بڑی نشانی موجود ہے ۔ (عنکبوت : ۴۴) حاصل یہ کہ سنت الہیٰ کے مطابق ضرورت اس بات کی تھی کہ رسالت محمدی کے بعد بھی ہر دور کےلئے ایک الگ معجزہ بھیجا جائے جسے دیکھ کر لوگ ایمان لاسکیں ، مگر چونکہ پیمبر آخرزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی ختم نبوت " کا اعلان کردیا گیا ۔ اس لئے اب رہتی دنیا تک قرآن عظیم ہی متعدد حیثیتوں سے " معجزہ" قرار پاچکا ہے تاکہ وہ ہر دور کی ذہنیت کا توڑکر کے اپنے جلوے دکھاتا رہے ۔ اس لحاظ سے اس کی تجلیاں کسی بھی دور میں ماند نہیں ہوسکتیں اور اس کا رنگ کبھی پھیکا نہیں پڑسکتا ۔ اسی وجہ سے اسے برہان ، نورہدایت ، فرقان ، اختلافی مسائل میں فیصلہ کرنے والا قرار دیا گیا ہے ۔

(۷) خلاصہ از تفسیر کشاف : ۲/ ۴۳۵ مطبوعہ طہران ، تفسیر بیضاوی : ۳/ ۴۲۶ بیروت ، تفسیر ابوسعود : ۱۵۱/۵ ، بیروت ، تفسیر کبیر : ۲۰ / ۱۴۱ بیروت ۔

" یایھا الناس قدجاء کم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبیناً " (اے لوگو ! تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے ایک (روشن) دلیل آچکی اور ہم نے تمھارے پاس ایک ایسی روشنی بھیج دی ہے جو بالکل واضح ہے)۔ (نساء : ۱۷۴)۔ " قد جاء کم من اللّٰہ نوروکتاب مبین " (تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے) (مائدہ : ۵ : ۱۵) " ھدیً للناس وبینت من الھدی والفرقان " (یہ قرآن) لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل میں تمیز کے دلائل موجود ہیں) (بقرہ : ۱۸۵) " لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ " تاکہ وہ (کتاب الہیٰ) لوگوں کے باہمی اختلافات کے درمیان فیصلہ کرسکے) (بقرہ : ۲۱۳)۔ " ھوالذی ینزل علی عبدہ ایت بینت لیخرجکم من الظلمت الی النور " : (وہی ہے (اللہ) جو اپنے بندے پر واضح دلائل اتار رہا ہے تاکہ وہ تمھیں (کفرکی) تاریکیوں سے باہر نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لے آئے)۔ (حدید : ۹)

" لقد انزلنا الیکم کتاباً فیہ ذکرتم افلا تعقلون " (یقیناً ہم نے تمھارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمھارا تذکرہ موجود ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے ؟ (انبیاء : ۱۰)

آج اہل علم اسلام کو " وحی الہیٰ " کا اعجاز اور اس کی برتری ثابت کرنے کا ایک نادر اور سنہرا موقع ہاتھ آگیا ہے کہ وہ قرآن اور جدید تجرباتی علوم کے تقابل سے اس جدید ترین قرآنی معجزہ کو علمی اعتبار سے ثابت کریں اور دلیل واستدلال کی روشنی میں بگڑے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے پر کمر بستہ ہوجائیں تاکہ خدا کی زمین سے شروفساد دور ہو اور دین واخلاق کا احیاء ہوسکے۔ علم دین کی تجدید کے لئے یہ ایک بنیادی قدم ہے جسکے نتیجے میں ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ عمل میں آسکتی ہے۔ علمائے امت چونکہ انبیائے کرامؑ کے وارث ہیں اس لئے یہ ذمہ داری اصلاً انہیں پر عائد ہوتی ہے اور یہ موجودہ دور کا سب سے بڑا معرکہ ہے جو دینیت اور لادینیت کے درمیان درپیش ہے۔ لہذا علمائے کرام کو اس راہ میں پوری ہوش مندی اور بیدار مغزی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ وہ عنداللہ جواب دہ ہوں گے۔

وما علینا الاالبلاغ۔ ((((جاری ہے))))

مرتب مولانا عبدالغنی صاحب بہاولپور

درس قرآن حضرت علامہ سید شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

لھوالحدیث (گانا بجانا وغیرہ) شرعاً منع ہے

تلک ایات الکتاب الحکیم ھدی ورحمۃ للمحسنین الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم بالآخر ھم یوقنون لولیک علی ھدی من ربھم و اولیٓک ھم المفلحون۔

ترجمہ:۔ یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو اخلاص رکھنے والے ہیں۔(وہ لوگ کون ہیں ؟) جو نماز قائم رکھتے اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ سیدھے راستے پر ہیں اور یہی فلاح پائیں گے۔

آج گانا بجانا ، ریڈیو ، ٹی وی ، ڈرامے ، غیر شرعی رسالوں اور ناول وغیرہ کے بارے میں بحث ہوگی۔ مذکورہ بالا سب چیزیں لھوالحدیث میں آتی ہیں۔ یہ سب شرعاً منع ہیں۔ سب سے پہلے ان پر قرآن کی رو سے روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ سورۃ لقمان میں ان کا ذکر ہے۔ قرآن نے یہاں سعداء یعنی خوشبختوں اور اشقیاء یعنی بدبختوں دونوں کا ذکر کیا ہے ، کہ جو نیکوکار ہیں وہ قرآن کی راہ لیتے ہیں اور جو گناہگار ہیں وہ غیر قرآن کی راہ لیتے ہیں۔ تو مذکورہ بالاآیت خوشبختوں اور نیکوکار لوگوں کے بارے میں ہے اور دوسری آیت جو مندرجہ ذیل ہے یہ بدبختوں اور گنہگاروں کے لئے ہے۔

" ومن الناس من یشتری لھوالحدیث لیضل من سبیل اللہ بغیر علم و یتخذھا ھذوا اولیٓک لھم عذاب مھین " (ترجمہ):۔ جو لوگ رقم دے کر بے ہودہ باتیں خریدتے ہیں تاکہ ان چیزوں اور باتوں کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں وہ نادانی سے ایسا کرتے ہیں اور یہ لوگ خدا کے راستے کو مذاق سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ذلیل کرنیوالے عذاب کی بشارت سنادو۔

جن چیزوں پر ثواب نہ ملے وہ سب بیہودہ باتیں ہوتی ہیں۔ چاہے وہ ریڈیو ، ٹی وی یا سینما کی شکل میں ہوں یا ڈرامے ، ناولوں اور غیر شرعی تحریروں وغیرہ کی شکل میں ہوں۔ قرآن کتنی جامع کتاب ہے کہ دو لفظ لھوالحدیث میں کتنی چیزیں جمع ہوگئیں۔

لیضل عن سبیل اللّٰہ ۔ تاکہ لوگوں کو ان چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکادے ۔ تو یہ ریڈیو، ٹی وی وغیرہ دین سے بہکانے والی چیزیں ہیں ۔" ویتخذھاھذوا " اور یہ لوگ خدا کے راستے کو مذاق سمجھتے ہیں تو بدبخت اور گناہگار لوگوں کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ جیسے انہوں نے ہماری بات سنی ہی نہیں ۔ تو ایسے لوگوں کو خداتعالیٰ کے عذاب کی بشارت سنادو۔ دیکھو قانون عام ہوتا ہے لیکن نزول کے لئے ایک خاص سبب ہوتا ہے ۔ اس آیت کے شان نزول کیلئے ایک واقعہ ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار مکہ کے سامنے قرآن پیش کیا تو مخالفوں کے دل میں بھی قرآن کی کشش پیدا ہوگئی ۔ یہ تو قرآن کا اعجاز ہے ۔ تو کفار کو اس بات کی فکر پڑی کہ یوں تو ہمارے لوگ اسلام قبول کرلیں گے اور اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا چلاجائے گا ۔ تو کفار کے رؤسا میں سے ایک نضر بن حارث نامی شخص تھا وہ جب ملک فارس (ایران) کو تجارت کے لئے گیا تو وہاں سے رستم اور اسفندیار کے ناولوں کو خریدار کر لایا ۔ یہاں ان کا عربی میں ترجمہ کیا ۔ تو لوگوں میں اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمھیں قوم عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تمھیں رستم اور اسفندیار کے قصے سناتا ہوں ۔ تو لوگوں کا مجمع بنایا جاتا پھر عورتیں آکر وہ قصے سناتی تھیں اور شراب بھی پی جاتی تھی ۔ اس بدبخت نے اس کام کے لئے ایک لونڈی بھی خرید رکھی تھی ۔ دیکھتا کہ کوئی اسلام کی طرف رغبت کرنے لگا ہے وہ لونڈی اس کے قریب کردیتا کہ وہ اسے قصے وغیرہ سنائے ۔ تو اس پر یہ مذکورہ بالاآیت نازل ہوئی ۔ یہ سلسلہ شروع تو ایک شخص نضر بن حارث نے کیا مگر اب اسے یورپ وغیرہ نے مختلف شکلوں میں پھیلایا ہے ۔ فحاشی کی سب چیزیں لھوالحدیث میں آتی ہیں ۔ یہ قرآن کی جامعیت ہے ۔ حضرت علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں اس لھوالحدیث پر بڑی بحث کی ہے ۔ آپؒ نے حضرت حسن بصریؒ کی رائے کو بڑی ترجیح دی ہے ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ الغنا یعنی گانا بجانا لھوالحدیث ہے ۔حضرت حسن بصریؒ کا قول :۔

" کل ماشغلک عن عبادة اللّٰہ وذکرہ من السمروالاضاحیک والخرافات والغناء ونحوھافھو لھوا لحدیث "۔ (ترجمہ) :۔ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت سے ہٹانے والی ہو، مثلاً فضول قصہ گوئی ،ہنسی مذاق کی باتیں ،واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ لھوالحدیث ہیں ۔ (روح المعانی)۔

الغنا :۔ یعنی گانا ، ایک گانا آلات کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسرا بغیر آلات کے ۔ یعنی گانے بجانے کے سازوسامان کے ساتھ گانا گایا جائے یا گانے بجانے کے سازوسامان کے بغیر گایا جائے ۔

غنا کی تشریح :۔ غنا لغوی معنی میں تو بلند آواز سے کچھ اشعار پڑھنے کو بھی کہتے ہیں ۔ لیکن شرعی لحاظ سے غنا ترنم کو کہتے ہیں ۔ ترنم کا معنیٰ یہ کہ منہ کا لہجہ ایک خاص طرز اختیار کرے اور الفاظ میں خاص طرز یا

خاص لہجہ رکھے تاکہ ہر شخص سمجھ لے یہ گویا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اس میں سختی نہیں۔ اس غنا کی چند صورتیں جواز میں بھی ہیں:

(۱) مثلاً عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کے اونٹ تھک جاتے تو وہ ایک خاص طرز پر شعر پڑھتے تاکہ اونٹ مست ہوکر چلیں۔ اس دستور یا طریقے کو حدی کہتے ہیں۔ یہ ترنم جائز ہے۔ (۲). دوسرا یہ کہ بعض اوقات آدمی کام کاج سے تھک جاتا ہے تو اس وقت کچھ گالے۔ یہ قدرتی امر ہے کہ ایسی صورت میں کچھ گنگنانے کیلئے جی بھی چاہتا ہے۔ شمس الائمہ حضرت علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ شرط یہ ہے کہ اس کی آواز عورت کے کان میں نہ پڑے تاکہ فتنہ نہ پیدا ہو۔ جس طرح حضرات صحابہ کرامؓ خندق کھودتے وقت تھکاوٹ کی وجہ سے اشعار پڑھتے تھے۔ (۳). تیسری صورت " لانامة الصبیان " کہ بچوں کو سلانے کے لئے ماں اگر لوری دے تو یہ جائز ہے یہ حضرت علامہ آلوسیؒ کا قول ہے۔ روایات سے بھی ثابت ہے کہ نابالغ بچیاں اور بالغ مرد عید کے دن یا خوشی کے موقع پر کچھ اشعار پڑھ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس مجلس میں عورتیں نہ ہوں۔ وہ بھی اشعار پڑھنے کی اجازت ہے گانا گانے کی اجازت نہیں۔ کچھ صوفی حضرات نے اس روایت سے قوالی وغیرہ کی دلیل پکڑی ہے مگر یہ استدلال غلط ہے۔

<u>حدیث شریف</u>:- " عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت ان ابابکر دخل علیها وعندها جاریتا فی ایام منیٰ تدففان وتضربان وفی روایة تغنیان بما تقاولت الانصار یوم بعاث والنبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم متغش بثوبه فانتهرهما ابوبکرؓ فکشف النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم عن وجهه فقال دعهمایا ابابکر فانها ایام عیدوفی روایة یا ابابکر ان لکل قوم عیداً وهذا عیدنا "۔

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ میرے گھر تشریف لائے وہ عید کا دن تھا۔ میرے پاس (انصار کی) دو بچیاں دف بجارہی تھیں اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ شعر گارہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث میں کہے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کپڑا لے کر آرام فرما تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے ان بچیوں کو سختی سے منع کیا۔ حضور نبی کریمؐ نے چہرے مبارک سے کپڑا ہٹا فرمایا اے ابابکرؓ انھیں اپنی حالت پر رہنے دو (جانے دو۔ خاموش رہو) یہ عید کے ایام ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ اے ابوبکرؓ ہر قوم کیلئے عید ہوتی ہے اور آج ہماری عید ہے۔

چشتیہ حضرات نے اس روایت سے دلیل پکڑی ہے۔ حضرت علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ یہ استدلال غلط ہے۔ فرماتے ہیں کہ آگے یہ عبارت ہے۔" ولیستابمغنیتین " کہ یہ بچیاں گانے والی نہ تھیں بس

عید کے موقعہ پر حضرت عائشہؓ کے گھر اکٹھی ہوگئیں اور جنگ کے اشعار پڑھنے بیٹھ گئیں ۔ تو اگر چھوٹی بچیاں عید یا کسی خوشی کے دن کوئی اشعار پڑھ لیں تو یہ درست ہے ۔ لیکن اس روایت سے عام گانوں کی دلیل پکڑنا درست نہیں ۔ شعر کے باب میں حضرت نافع بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ راستے میں بانسری کی آواز آئی تو حضرت ابن عمرؓ نے اپنے انگلیاں ڈال دیں اور راستہ بدل کر چلنے لگے ۔ تھوڑی دیر بعد پوچھا آواز ہے ؟ میں نے کہا نہیں ۔ تب آپ نے کانوں میں انگلیاں نکال لیں ۔ مجھے فرمایا تو نے اس کی آواز کیوں سنی ؟ (یعنی تونے کان میں انگلیاں کیوں نہیں ڈالیں ؟) حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بچہ تھا یعنی آپؓ بچے کو بھی فرمارہے ہیں کہ تونے کیوں سنی ؟ مگر ہمارے حکمراں تو ناچ گانے کو ثقافت کے نام سے پکارتے ہیں ۔ یہ ہماری ثقافت نہیں یہ غیر مسلموں کی رسومات اور تہذیب ہے ۔ ہماری تہذیب وثقافت ان فضول ، بیہودہ اور لچر کاموں سے پاک ہے ۔ اب گانے بجانے کے لئے چاروں ائمہ کرامؒ کے قول نقل کرتا ہوں ۔ کوئی مانے یا نہ مانے اس کی مرضی اس سے ہمیں بحث نہیں ۔ مگر سنانا ہمارا کام ہے ۔

قاضی ابوالطیبؒ قرطبی وغیرہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک گانا سننا حرام ہے

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ گانا سننا تمام سماوی مذاہب میں حرام ہے ۔ اس فتویٰ پر صدیوں اسلامی مملکتوں میں عمل رہا ۔ + صاحبؒ ہدایہ وبدایہ لکھتے ہیں کہ گانا اور گانا سننا یہ گناہ کبیرہ ہیں ۔
+ حضرت ابوبکر ترطوشیؒ نے نقل کیا ہے کہ گانے اور گانے سننے کے متعلق حضرت امام مالکؒ کا فرمان ہے کہ یہ فاسقوں کا کام ہے ۔ + حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ گانے والے اور گانا سننے والے کی شرعی عدالت میں گواہی رد ہے ۔ + حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ گانا اور گانا سننا دونوں حرام ہیں ۔ اور یہ دل میں نفاق پیدا کرتے ہیں جس طرح پانی زمین سے نباتات پیدا کرتا ہے ۔ ہر گناہ کے دو اثر ہوتے ہیں ۔ ایک دنیا میں اور ایک آخرت میں ظاہر ہوگا ۔ + آخرت میں تو اس گناہ (لھوالحدیث) کے متعلق قرآن نے فرمایا ہے کہ ان بدبختوں کو دردناک عذاب کی بشارت سنادو ۔ + دنیا میں بھی اس گناہ (لھوالحدیث) کے اثرات ظاہر ہیں ۔ مثلاً رزق میں کمی ، اولاد کی نافرمانی ، گھریلو ناچاقیاں ، معاشرے کی خرابی ، بدامنی ، قتل وغارت ، رشوت ، زنا ، شراب نوشی ودیگر پریشانیوں میں اس گناہ (لھوالحدیث) کو بڑا دخل ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ہدایت دے (آمین)

XXXXX

جناب اظہر جاوید صاحب
لیکچرار شعبہ قانون ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء ـ ایک تنقیدی جائزہ

پاکستان کو معرض وجود میں آئے نصف صدی کا طویل عرصہ گزر چکا ہے لیکن ابھی تک وہ مقصد حاصل نہیں کیا جاسکا جس کیلئے یہ ملک حاصل کیا گیا ۔ جدوجہد آزادی میں لاکھوں انسانوں نے بیش بہا قربانیاں پیش کیں ان کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ ایک ایسا آزاد خطہ ارض حاصل کیا جائے جہاں مسلمان اپنے دین کی تعلیمات کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کرسکیں اور ایک ایسی اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے جس میں لوگ امن وسکون اور معاشی خوشحالی کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں ۔ لیکن نصف صدی گزرنے کے باوجود وہ منزل جس کا خواب برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں نے دیکھا تھا ابھی اتنی ہی دور ہے جتنی کہ ۱۹۴۷ء میں تھی یا شاید اس سے بھی دور !

پاکستان میں برسراقتدار آنے والی ہرحکومت نے اپنے مخصوص مفادات کے تحفظ اور عوام کے استحصال کےلئے ہرحربہ استعمال کیا ، کبھی اسلام کے مقدس نام پر عوام کو دھوکہ دیا گیا ، کبھی جمہوریت کے خوش کن تصور کا سہارا لیا گیا اور کبھی معاشی خوشحالی کے سبزباغ دکھاکر انہیں بےوقوف بنایا گیا ۔ ملک میں اسلامی نظام حیات کے نفاذ کیلئے حکومتی سطح پر کبھی کوئی سنجیدہ اور مخلصانہ کوشش نہ کی گئی اور اگر کبھی کوئی قانون اسلام کے نام پر بنایا بھی گیا تو اس میں حکمرانوں کی اپنی مصلحت یا نام نہاد دانشوروں کی عقل وفہم کو قرآن وسنت کے مسلمہ اصولوں پر ترجیح دی گئی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کبھی بھی خاطرخواہ نتائج برآمد نہ ہوسکے ۔ اسلامی اقدار اور روایات کا کھلم کھلا مذاق اڑایا گیا ، اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ اور انسانی حقوق کے منافی قرار دیا گیا ۔ اسلام کو ایک فرسودہ اور عصرحاضر کے تقاضوں کے منافی قرار دیا گیا ۔ سودی نظام کے بغیر معاشی اور اقتصادی ترقی کو ناممکن قرار دیا گیا ۔ اسلام کے نام پر جو سرکاری ادارے قائم کئے گئے ان پر مختلف قسم کی پابندیاں عائد کردی گئیں اس طرح ان کی افادیت کو ختم کردیا گیا ۔ ملک میں قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا اعلان کیا گیا تو اس کی ابتداء الٹی طرف سے کردی گئی یعنی بجائے اس کے کہ پہلے اسلام کا اقتصادی اور سماجی نظام قائم کیا جاتا ، دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جاتا ، اسلامی اصولوں پر مبنی اسلامی نظام تعلیم وتربیت سے اصلاح احوال پر توجہ دی جاتی ، ملک میں اسلامی سزاؤں کے نفاذ کا اعلان کردیا گیا ۔ انیس سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود کسی ایک مجرم کو بھی اس قانون کے تحت سزا

نہ دی جاسکی اور نہ ہی معاشرے سے جرائم کا خاتمہ ہوا ۔ یہ قانون ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے بلکہ اس قانون کا جو رعب اور دبدبہ لوگوں کے دلوں میں تھا وہ ختم ہوگیا ہے اور ایک ایسے اندازفکر نے جنم لینا شروع کردیا ہے جس کے مطابق اسلامی قوانین عصرحاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ ہی اسلامی سزائیں موجودہ مہذب اور متمدن معاشرے میں نافذ کی جاسکتی ہیں ۔ اس مختصر سے مضمون میں حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء میں موجود چند بڑی خامیوں کی نشاندھی کی جارہی ہے ۔ یہ کوشش اگر ارباب اقتدار کو اصلاح احوال پر مائل نہ بھی کرسکے تو بھی امید ہے کہ تعلیم یافتہ اور باشعور طبقہ کی راہنمائی کے لئے ممد ومعاون ثابت ہوگی ۔ ۱۹۷۹ء میں پاکستان حدود آرڈیننس کے نفاذ کا اعلان کیا گیا ۔ اس آرڈیننس کے نفاذ کا مقصد ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذاور مروجہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے عملی اقدامات کرنا تھا ۔ یہ قوانین دو وجوہات کی بناء پر دوسرے تمام قوانین سے منفرد وممتاز ہیں ۔ پہلی تو یہ کہ تمام قوانین انسانوں کے وضع کردہ ہیں اس لئے ناقص ہیں اور زمانے کے تغیر وتبدل کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلی ناگزیر ہے جبکہ حدود کے قوانین خالق حقیقی کے وضع کردہ ہیں اس لئے ہر نقص سے پاک اور تمام وقتوں اور تمام زمانوں کیلئے ہیں تاقیامت ان میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے ۔

دوسری وجہ یہ کہ انسانوں کے وضع کردہ قوانین معاشرے میں امن وامان قائم کرنے ، جرائم کا خاتمہ کرنے اور حکومت کا انتظام چلانے کے لئے بنائے جاتے اور ان قوانین کا انسان کے عقائد اور نظریات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ۔ جبکہ اسلام کے قوانین امن وامان قائم کرنے اور جرائم کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ عبادت کا درجہ بھی رکھتے ہیں ۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : " بے شک حدود کا نفاذ اس طرح عبادت ہے جس طرح جہاد فی سبیل اللہ ۔ مناسب ہے کہ جان لیا جائے کہ حد کا قائم کرنا اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے رحمت ہے ۔ پس حکمران کو چاہیئے کہ حد کے نفاذ میں سختی کرے اور اللہ کے دین میں نرمی سے کام نہ لے اور حد کو معطل نہ کرے ۔ حدود کے نفاذ میں اس کی نیت اللہ کی مخلوق پر رحم کرنے کی ہوکہ برائیوں کے ارتکاب سے لوگوں کو روکے ، نہ کہ حدود کا نفاذ اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے اور مخلوق خدا پر اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کے لیے ہو ۔

حکمران کی مثال اس والد کے سی ہے جو اپنے بچے کو سرزنش کرتا ہے ۔ پس اگروالد اپنے بچے کو سرزنش نہ کرے تو وہ بگڑجائے گا ۔ یہ سرزنش بچے کے اصلاح احوال کیلئے ہے اس لئے بچے کیلئے رحمت ہے اور حکمران کی مثال اس طبیب کی طرح ہے جو کڑوی دوا پینے کیلئے دیتا ہے تاکہ مریض صحت یاب ہو اور کسی مجرم کو سزا دینا اس طرح ہے جس طرح انسانی جسم سے کسی عضو فاسد کو اس نیت سے کاٹا جاتا ہے کہ

اس کی جان کو بچایا جاسکے۔ اسیطرح حکمران کی نیت عوام کی اصلاح اور معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ، عامۃ الناس کا فائدہ اور ان سے مفاسد کو دور کرنا اور حدود کے نفاذ سے اللہ کی اطاعت اور اسکی خوشنودی مقصود ہو۔ (۱)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان احکامات کو نافذ کرنا اور ان پر عمل کرنا عبادت کا درجہ رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اللہ رب العزت کے احکامات کے مطابق لوگوں کے جھگڑوں کے فیصلے کرنا ایمان کی دلیل ہے جوکہ عبادت کی روح اور اسکی بنیاد ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

" ومن لم یحکم بماانزل اللّٰہ فاؤلیک ھم الکافرون " (۲)

ترجمہ:- "اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جوکہ اللہ نے اتارا سو وہ ہی لوگ ہیں کافر"

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: " فلاوربک لایومنون حتیٰ یحکموک فیماشجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً " (۳) ترجمہ: (سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مومنوں کیلئے صرف یہ ہی کافی نہیں ہے کہ وہ اپنے جھگڑوں کے فیصلے اللہ رب العزت کے احکامات اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کے مطابق کرائیں بلکہ ان فیصلوں کو خوشدلی سے قبول بھی کریں۔

مفسرین نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس ارشاد قرآنی پر عمل کرنا حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدمبارک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کی شریعت مطہرہ خود آپ ہی کا فیصلہ ہے اس لیے یہ حکم قیامت تک اسی طرح جاری ہے کہ آپؐ کے زمانہ مبارک میں خود بلاواسطہ آپ سے رجوع کیا جائے اور آپؐ کے بعد معاملات کے فیصلہ کیلئے آپ کی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے جو درحقیقت آپ ہی کی طرف رجوع ہے۔ (۴) اس زمین پر اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے جہاں پر اللہ کے احکامات نافذ ہوں اور ان احکامات کا نفاذ معاشرے کے لئے خیروبرکت ترقی و خوشحالی کا باعث بنتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

" حدیعمل بہ فی الارض خیر لاھل الارض من ان یمطروا اربعین صباحاً " (۵)

ترجمہ:- (زمین پر ایک حد کا جاری کرنا اہل زمین کیلئے اس سے بہتر ہے کہ ان پر چالیس صبحیں بارش ہوتی رہے)۔ اس کے ساتھ ساتھ حد کا نفاذ مجرم کیلئے کفار کا درجہ بھی رکھتا ہے۔ گویا کہ اس نے جو گناہ کیا ہے اس کی سزا کے طور پر اگر اس پر حد لاگو کردی گئی تو یہ اس کے گناہ کا کفارۃ ادا ہوگیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: " من اصاب ذنباً اقیم علیہ حدفھو کفارتہ " (۶)

ترجمہ :- (جس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اس پر حد جاری ہوگئی تو یہ اس کا کفارہ ہے)۔ اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے مقصود نہ صرف مجرموں کو سزا دینا بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات پر عبادت سمجھ کر عمل درآمد کرنا ہے اس لئے ان کے نفاذ سے پہلے ان حالات کا پیدا کرنا انتہائی ضروری ہے جو ان کے نفاذ کیلئے موزوں ہوں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس معاشرے میں اللہ کا پیغام لےکر تشریف لائے اس معاشرے میں دنیا جہان کی تمام برائیاں موجود تھیں ۔ شراب نوشی، جوا، زناکاری، قتل وغارتگری، چوری اور ڈاکہ غرض یہ کہ جس بھی برائی کا تصور کیاجاسکتا ہو وہ عرب معاشرے میں موجود تھی ۔ اسلام نے ان تمام برائیوں کو بیک جنبش قلم ختم نہیں کیا بلکہ تدریجاً لوگوں کو ان برائیوں کو ترک کرنے پر مائل کیا اور ان کی تربیت اس طرح کی کہ آخرکار وہ خود دلی طور پر ان برائیوں سے متنفر ہوگئے ۔ اسکی بہترین مثال ہمارے سامنے شراب کی حرمت ہے ۔ شراب کی تدریجی حرمت کے بارے میں تین آیات نازل ہوئی ہیں :

سورۃ البقرۃ میں ارشادخداوندی ہے :

" یسالونک عن الخمروالمیسر قل فیھما اثم کبیرومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما " (۷)
ترجمہ :- (تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا، کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی لوگوں کو اور انؔ کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے)۔ دوسرے دور میں ایک خاص وقت یعنی ادائیگی نماز کے وقت شراب نوشی سے منع فرمایا گیا ارشادباری تعالیٰ ہے : " یایھاالذین امنوا لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون " (۸) ترجمہ :- (اے ایمان والو ! نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو)۔ تیسرے دور میں حتمی طور پر شراب نوشی کی ممانعت کا حکم نازل ہوا ۔ ارشاد خداوندی ہے : " یایھاالذین آمنوا انما الخمروالمیسروالانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون " (۹)۔ ترجمہ :- (اے ایمان والو! یہ جو ہے شراب اور جوا اور بت اور پانسے سب گندے کام ہیں ، شیطان کے سوان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ) شریعت اسلامیہ نے شراب کے حرام کرنے میں تدریج سے کام اس لیے لیا کہ عمربھر کی پختہ عادت کو چھوڑدینا انسانی طبیعت پرانتہائی شاق اور گراں ہوتا ہے اسی لیے علماء فرماتے ہیں :

" العادۃ اشد من فطام الرضاعۃ " یعنی جیسے بچے کو ماں کا دودھ پینے کی عادت چھوڑنا بھاری معلوم ہوتا ہے اسی طرح انسان کےلئے اپنی کسی عادت مستمر کو بدلنا اس سے زیادہ سخت ہے ۔

جب شراب کی حرمت کا حتمی حکم نازل ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلان فرمایا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے مطابق جس کے ہاتھ میں شراب کا برتن تھا اس نے اس کو وہیں

پھینک دیا اور جس کے پاس کوئی سبو جام شراب کا تھا اسے گھر سے باہر لاکر توڑ دیا۔ مدینہ میں عرصہ دراز تک یہ حالت رہی کہ جب بارش ہوتی تھی تو شراب کی بو اور رنگ مٹی میں نکھر آتا۔ ایک صحابی جو شراب کی تجارت کرتے تھے اور شام سے شراب درآمد کرتے تھے اتفاقاً اس زمانے میں ساری رقم لےکر شراب خریدنے شام گئے ہوئے تھے وہ شراب لےکر واپس ہوئے تو مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو شراب کے حرام ہونے کی خبر مل گئی۔ یہ خبر ملتے ہی انہوں نے ساری شراب کو ضائع کردیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی قوانین کے نفاذ سے پہلے سازگار حالات کا پیدا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور اگر بعد میں کسی وقت یہ حالات قائم نہ رہ سکیں تو سزاؤں کی تنفیذ کو عارضی طور پر معطل کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں ایک دفعہ قحط پڑگیا تو آپ نے چوری کی سزا کو وقتی طور پر معطل فرمادیا کیونکہ ریاست بوجوہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرسکتی تھی اور جب ریاست اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ناکام رہے تو اسے محض سزاؤں کے نفاذ کا اختیار دینا انصاف کے اصولوں کے منافی ہے۔ موجودہ دور میں جہاں لاکھوں نوجوان روزگار سے محروم ہوں، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے ایک طرف تو ایک ایسے طبقہ کو جنم دیا ہو جسے خود اپنی دولت کا اندازہ نہ ہو اور دوسری طرف ایک ایسا طبقہ ہو جو کہ نان جویں کو محتاج ہو، اخلاقی بے راہ روی سرکاری سرپرستی میں جاری ہو، لوگ اسلامی تعلیمات سے نابلد ہوں اور انہیں اسلامی تعلیمات سے دور رکھنے کے تمام تر لوازمات موجود ہوں ان احوال کی اصلاح کیے بغیر صرف اسلامی نظام جرم وسزا کے نفاذ سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت کی بجائے نفرت کے جذبات ہی پیدا کیے جاسکتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ریاست اپنے اختیارات اور وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے سب سے پہلے عوام کی معاشی اور اقتصادی حالت سدھارنے پر توجہ دے، معاشرے کے اندر تیزی سے پھیلتی ہوئی بےراہ روی کے سامنے مضبوط بند باندھے جائیں۔ جرم کے ارتکاب کی طرف جانے والے راستوں کو بند کیا جائے، عدالتی نظام کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے، ججوں اور ماتحت عملے کو اسلام کے عدالتی نظام کی تربیت دی جائے۔ اسلامی تعلیمات کو عام کیا جائے پھر اس کے بعد اسلام کے نظام جرم وسزا کو نافذ کیا جائے تو خاطر خواہ نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔ حدود آرڈیننس کے ذریعے ملک میں پانچ حدود کے نفاذ کا اعلان کیا گیا ہے یعنی حدالسرقہ، حدالحرابہ، حدالزنا، حدالقذف اور حدالشرب۔ حدود کی تعداد کے بارے میں فقہاء کے تین آراء ہیں: پہلی رائے مطابق جوکہ جمہور فقہاء کی رائے ہے حدود کی تعداد سات ہے۔ (۱۰) ان میں حدالردۃ، حدالزنا، حدالقذف، حدالسرقہ، حدالحرابۃ، حدالشرب اور حدالبغی شامل ہیں۔ دوسری رائے

جوکہ احناف کے بعض علماء اور کچھ مالکی فقہاء کی ہے اس کے مطابق حدود کی تعداد پانچ ہے (۱۱)۔ ان میں حدالزنا، حدالقذف، حدالسرقۃ، حدالشرب اور حدالسکر شامل۔ ان علماء کے نزدیک حدالردۃ، حدالبغی کو حدود میں شاید اس لیے شامل نہیں کیا گیا کہ تاریخ اسلام میں یہ جرائم شاذ ونادر ہی وقوع پذیر ہوئے ہیں اور حدالحرابۃ کا ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حرابۃ کی مختلف صورتوں میں اس کی سزا مختلف ہوتی ہے۔ تیسری رائے جوکہ احناف کے علماء کی ہے کے مطابق حدود کی تعداد صرف چار ہے۔ (۱۲) یعنی حدالزنا، حدالقذف، حدالسرقۃ اور حدالشرب ان کے نزدیک حدالشرب اور حدالسکر ایک ہی حد ہیں اور اس کی مقدار بھی یکساں ہے اگرچہ دونوں کے واجب ہونے کا سبب مختلف ہے۔ لیکن اگر عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے تو حدالردۃ کا نفاذ انتہائی ضروری ہے بلکہ علماء مسلسل اس کے نفاذ کا مطالبہ بھی کرتے رہے ہیں۔ مسئلہ ختم نبوت اور مسلمانوں کی معاشی اور اخلاقی کمزوریوں کے پیش نظر اور دین حق کی حفاظت کیلئے یہ لازم ہے کہ ارتداد کو سختی سے منع کیا جائے اور اس کی سزا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من بدل دینہ فاقتلوہ" ترجمہ (جو اپنے دین کو تبدیل کرے اسے قتل کردیا جائے)۔ اب ہم حدود آرڈیننس میں حد کی تعریف کا جائزہ لیتے ہیں:

<u>حد کی تعریف</u>:- حدود آرڈیننس حدالسرقۃ کی دفعہ "۲" ذیلی دفعہ "ج" اور حدالزنا کی دفعہ "۲" ذیلی دفعہ "ب" میں حد کی تعریف یوں کی گئی ہے "وہ سزا جس کا حکم قرآن یا سنت میں دیا گیا ہو"

فقہاء کی اصطلاح کے مطابق یہ تعریف نہ تو جامع ہے اور نہ مانع یعنی اس میں جامعیت اور مانعیت کی خصوصیات موجود نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں قصاص کا حکم موجود ہے جوکہ ایک سزا ہے لیکن اہل علم پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قصاص اور حدود میں زمین وآسمان کا فرق ہے، لیکن اگر حد کی یہ تعریف درست مان لی جائے تو پھر قصاص اور حدود میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا حالانکہ اس فرق کو حکومت نے خود بھی واضح کیا ہے اور حدود آرڈیننس کے ساتھ ساتھ "قصاص اور دیت ایکٹ" کے عنوان سے علیحدہ قانون جاری کیا گیا ہے۔ جسے پارلیمنٹ نے باقاعدہ طور پر پاس کیا ہے۔ اس طرح قصاص کا حکم قرآن حکیم میں تو موجود ہے لیکن یہ حدود سے مختلف ہے جبکہ حدود آرڈی نینس کی تعریف کے مطابق قصاص اور حد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح حدالشرب میں فقہاء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ شراب پر حد کی سزا ہے لیکن اس حد کی مقدار کے بارے میں دو آراء ہیں: پہلی رائے کے مطابق شراب نوشی کی حد اسی کوڑے ہیں (۱۴)۔ ان علماء کی رائے کے مطابق حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی سزا کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے

مشورہ دیا کہ اس کی سزا حد کی کم سے کم سزا یعنی اسی کوڑے ہونی چاہئیے ۔ (۱۵)۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے حدالشرب کو حدالقذف پر قیاس کیا اور فرمایا : " اذاشرب سکرواذا سکر هذی و اذاهذی افتری فحدوہ حدالمفتری " (۱۶) دوسری رائے کے مطابق شراب نوشی کی حد ۴۰ کوڑے ہے اور باقی ۴۰ تعزیر ہیں (۱۷)۔ ان علماء کی رائے کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ نے ولید بن عقبہ کو شراب نوشی کی سزا کے طور پر ۴۰ کوڑے مارے اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی سزا ۴۰ کوڑے دی اور حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ نے ۸۰ کوڑے لیکن میں ۴۰ کوڑوں کو ترجیح دیتا ہوں ، اثر کے الفاظ اس طرح ہیں : " جلد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اربعین وابوبکر رضی اللّٰه عنه اربعین وعمر رضی اللّٰه عنه ثمانین وکل سنة وهذا احب الی " حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

" اتی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم برجل قدشرب الخمر فضربه بالنعال نحواً من اربعین ثم اتی به ابوبکر وصنع مثل ذلک ثم اتی به عمر فاستشار الناس فی الحدود فقال ابن عوف اقل الحدود ثمانون فضر به عمر رضی اللّٰه عنه " (۱۹)۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاءؒ نے اس بات پر اختلاف کیا ہے کہ حدالشرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ سے ثابت ہے یا اجماع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ۔ اگر ہم حدالشرب کا ثابت ہونا اجماع سے تسلیم کرلیں تو پھر حدود آرڈی نینس کی تعریف کے مطابق حدالشرب حدود میں شامل نہیں ہوسکتی ۔

<u>فقہاء کے نزدیک حد کی تعریف</u> :- فقہاء نے حد کی تعریف کچھ یوں کی ہے :

" وہ مقررہ سزا جو اللہ کے حق کے طور پر واجب ہو" (۲۰) ۔ یہ تعریف اتنی مکمل ہے کہ اس سے خود بخود قصاص اور حد کا فرق واضح ہوجاتا ہے ۔ قصاص چونکہ ایک مقررہ سزا ہے انسان کے حق کے طور پر واجب ہوتی ہے اس لیے اس میں معاف کرنے اور صلح کرنے کا اختیار مکمل طور پر مقتول کے ورثاء کے پاس ہوتا ہے اگر وہ چاہیں تو اپنی مرضی سے مجرم کو معاف کردیں یا اس کے ساتھ صلح کرلیں لیکن حدود جوکہ اللہ رب العزت کا حق ہیں انسان کو نہ تو معاف کرنے کا حق حاصل ہے اور نہ ہی صلح کرنے کا ۔

<u>تعزیر کی تعریف</u> :- اسی دفعہ یعنی دفعہ "۲" کی ذیلی دفعہ " ز" میں تعزیر کی تعریف اس طرح کی گئی ہے : "حد" کے علاوہ کوئی بھی سزا" اسلامی قوانین میں سزا کو تین بڑی قسموں یعنی حد، قصاص اور تعزیر میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ حد اور قصاص گوکہ مقررہ سزائیں ہیں لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے حد کی سزا میں نہ تو معاف کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی صلح کی گنجائش موجود ہے جبکہ قصاص میں مقتول کے ورثاء جب چاہیں

مجرم کو معاف کرسکتے ہیں یا اس کے ساتھ صلح کرسکتے ہیں۔ حدود کی ایک اور خاصیت یہ بھی ہے کہ حکمران اپنے طور پر اس میں کوئی کم بیشی کرنے کے مجاز نہیں ہیں بلکہ وہی مقدار جو بیان کی گئی ہے اسے نافذ کرنے کے پابند ہیں۔ جبکہ تعزیز مکمل طور پر قاضی یا حکمران کی صوابدید پر منحصر ہے کہ جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کے مطابق جو بھی مناسب سمجھے سزا تجویز کرے اس لحاظ سے تعزیر حد اور قصاص دونوں سے مختلف ہے، لیکن اگر آرڈیننس کی تعریف کو لیا جائے تو حد کے علاوہ جو بھی سزا ہے وہ تعزیر کہلائے گی اس طرح اس تعریف کی رو سے قصاص اور تعزیر میں کوئی فرق نہیں رہا جوکہ سراسر غلط ہے۔ اس آرڈیننس کے نفاذ سے ایک طرف تو اسلام کے مسلّمہ اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو دوسری طرف عام لوگوں کا یہ یقین بھی متزلزل ہوا ہے کہ اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ سے معاشرے سے جرائم اور برائیوں کا مکمل طور پر خاتمہ ہوجاتا ہے اور معاشرہ امن وآشتی کا گہوارہ بن جاتا ہے اور اس کا نظام جرم وسزا ہی وہ واحد نظام ہے جو انسانوں کو امن وسلامتی اور ان کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اس آرڈیننس کی وجہ سے اس غلط تاثر کو بھی تقویت ملی ہے کہ اسلام موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ گذشتہ دو دہائیوں میں ملک میں قتل وغارت گری، چوری، زنا، ڈاکہ اور دوسرے جرائم میں خوفناک حدتک اضافہ ہوا ہے۔ اس تمام صورتحال کے پیش نظر ضرورت اس بات کی ہے کہ حدود آرڈیننس کی ان بڑی خامیوں کی اصلاح کی جائے۔ ملک کے جید علماء اور ماہرین قانون پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جو اس آرڈیننس کا جائزہ لیکر اس میں مناسب ترامیم تجویز کرے اور ان تجاویز کی روشنی میں اسے دوبارہ مرتب کیا جائے۔ اس کے نفاذ سے پہلے سازگار حالات پیدا کیے جائیں۔ عدالتی مشنری میں اسلامی قانون کے ماہر اور تربیت یافتہ افراد کا تقرر کیا جائے، جو عوام کو قرآن وسنت کی روشنی میں جلد اور سستا انصاف مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس سے نہ صرف جرائم کے خاتمہ میں مدد ملے گی بلکہ معاشرہ اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے بھی معمور ہوگا۔

حوالہ جات

(۱) السیاسۃ الشرعیۃ ص ۹۸ (۲) المائدۃ: ۴۴ (۳) النساء ۶۵ (۴) تفسیر معارف القرآن ۴۶۱ / ۲ (۵) سنن النسائی کتاب قطع السارق / باب الترغیب فی اقامۃ الحد / ۸۵ / ۸ سنن ابن ماجہ / کتاب الحدود / باب اقامۃ الحدود / ۸۴۸ / ۲

(۶) مسند امام احمد بن حنبل / حدیث حزیمۃ بن ثابت / ۲۱۵ / ۸ (۷) البقرۃ: ۲۱۹ (۸) النساء: ۴۳ (۹) المائدۃ: ۹۰

(۱۰) المغنی ۱۰۴ / ۸، الانصاف ۷۰ / ۱۰، حاشیۃ البجیرلی علی الخطیب ۱۴ / ۴ الامتاع ۱۷۷ / ۲، الخرشی ۸/۲، حاشیہ الاسوقی علی الشرح الکبیر ۲۹۸ / ۴ المحلی ۱۱۸ / ۱۱ (۱۱) بدائع الصنائع ۷/۳۳، تبیین الحقائق ۱۶۴ / ۳، المدونۃ الکبریٰ ۱۶/۲۰۲

۴) البحرالرائق ۵/۲ (۱۳) صحیح البخاری / کتاب الاعتصام بالسنۃ / باب قولہ تعالیٰ وامرھم شوریٰ بینھم / ۱۲۸ , ۸ ،
ابوداؤد / کتاب الحدود / باب الحکم فیمن ارتد / ۵۲۱ / ۴ ، الجامع الترمذی / کتاب الحدود / باب ماجاء فی المرتد / ۵۹ / ۵۴
سنن النسائی / کتاب تحریم الدم / باب الحکم فی المرتد / ۱۰۴ / ۷ ، ابن ماجۃ / کتاب الحدود / باب المرتد عن دینہ / ۸۴۸
/ ۲ (۱۴) المغنی ۳۰۶ / ۸ ، شرح فتح القدیر ۸۳ / ۵ ، البحرالرائق ۲۸ / ۵ ، الخرشی ۱۰۸ / ۵ حاشیۃ الاسوقی علی الشرح الکبیر
۳۵۳ / ۴ ، المدونۃ الکبریٰ ۲۴ / ۱۶ (۱۵) ابوداؤد / کتاب الحدود / باب الحد فی الخمر / ۲۶۷ / ۲ (۱۶) الموطا / کتاب الاشربۃ /
باب ماجاء فی حد الخمر / ۱۳۳۲ / ۲ (۱۷) نھایۃ المحتاج ۱۲ / ۸ ، الاقناع ۱۸۷ / ۲ ، المھذب ۲۸۶ / ۲ ، مغنی المحتاج ۱۸۹ / ۲
(۱۸) صحیح مسلم / کتاب الحدود / باب حد الخمر / ۱۳۳۲ / ۲ (۱۹) ابوداؤد / کتاب الحدود / باب الحد فی الخمر / ۴۳۱ / ۴ ،
ابن ماجہ / کتاب الحدود / باب حد السکران / ۸۵۸ / ۲ جامع الترمذی / کتاب الحدود / باب ماجاء فی حد السکران ۴۸ / ۴
مسند امام احمد بن حنبل / ۸۲ / ۱ (۲۰) المبسوط ۳۶ / ۹ ، البحرالرائق ۵/۴ ، شرح فتح القدیر ۵/۳ ، بدائع الصنائع ۷/۳۳ ،
ردالمحتار علی درالمختار ۱۴۰ / ۵ ، تبیین الحقائق ۱۹۳ / ۳ ، المغنی ۳۰۴ / ۸ حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب ۱۴ / ۴ ، الخرشی ۸/۲ ،
حاشیۃ الاسوقی علی الشرح الکبیر ۲۹۸ / ۴ الاقناع ۱۷۷ / ۲ ، الانصاف ۷۰ / ۱۰ ، المحلی ۱۱۸ / ۱۱ ۔

(بقیہ صفحہ سے)

ڈاکٹر صاحب نے متعدد انسائیکلوپیڈیا میں بھی مقالات تحریر کیے ہیں ۔ ۱۹۶۵ء میں اردو انسائیکلوپیڈیا "دائرۃ المعارف اسلامیہ" میں بائیس (۲۲) مختلف موضوعات پر مضامین لکھے، اسی طرح فرینچ انسائیکلوپیڈیا میں بھی اسلامی موضوعات پر مضامین سپرد قلم کیے ۔ اردو میں ان کا اسلوب بے تکلف، سلیس، سہل اور بھاری بھرکم الفاظ سے پاک تھا۔ مختلف موضوعات اور مختلف زبانوں میں ان کی کتابوں کی تعداد ۱۶۵ اور مقالات کی تعداد (۹۳۸) سے متجاوز ہے۔ ذیل میں صرف ان کی ان عربی کتابوں کی فہرست دی جاتی ہے جنھیں ڈاکٹر صاحب نے ایڈٹ کیا۔

کتاب الانوارلابن قتیبہ ، طبع حیدرآباد ۱۹۵۶ ء انساب الاشراف للبلاذری، ج طبع مصر ۱۹۵۹ء الذخائروالتحف للقاضی الرشیدبن الزبیرطبع الکویت ۱۹۵۹ ء مقدمہ فی علم السیر اوحقوق الدول فی الاسلام فی احکام اھل الدمہ لابن القیم ، طبع دمشق ۱۹۶۱ ء ، کتاب النیات للدنیوری ، طبع ۱۹۷۳ ء سیرۃ ابن اسحاق المسماۃ بکتاب المبدا والمبعث والمغازی طبع رباط ۱۹۷۶ ء ، صحیہ ابن ھمام بن منبہ ، طبع بیروت ۱۹۷۹ ء ، کتاب الردۃ ونبذۃ من فتوح العراق للواقدی ۔ طبع پیرس ۔ بیروت ۱۹۸۹ ء کتاب السیرالکبیر للامام محمد بن الحسن الشیبانی طبع حیدرآباد ۱۹۸۹ء۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کا بہترین صلہ اور امت مسلمہ کو ان کا نعم البدل عطاء فرمائے ۔ (آمین)

نوٹ :۔ ماہنامہ الحق اور مدیر اعلیٰ مولانا سمیع الحق سے ہمیشہ ان کا علمی تعلق جاری رہا ۔ "الحق" کے ہر سطر کو غور سے پڑھتے اور کھل کر تنقید اور تبصرہ یا کسی بھی اہم بات پر معلومات کا اضافہ کرکے بھیجتے جو "الحق" میں مکتوب فرانس یا مکتوب پیرس کے نام سے شائع ہوتا ۔ اس عظیم سانحہ میں دارالعلوم حقانیہ ، ماہنامہ الحق اور مولانا سمیع الحق علمی و تحقیقی دنیا کے ساتھ شریک غم ہے اور مرحوم کے رفع درجات کیلئے دست بدعا ہیں ۔ (ادارہ)

جناب ضیاء الدین لاہوری صاحب

پروفیسر طاہرالقادری کا نظریہ رؤیت ہلال

" فصل المقال فی رؤیۃ الہلال " کے علمی نام اور " رؤیت ہلال " کے مسئلہ پر

''مفکر اسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا مبسوط علمی اور تحقیقی فتویٰ'' کے عنوان سے مجلہ ماہنامہ " منہاج القرآن" لاہور کے شمارہ مارچ ۱۹۹۶ء میں ایک تحریر کی قسط اول مطالعے میں آئی ۔ نہایت سنجیدگی سے محسوس کیا کہ اس میں موضوع کے ساتھ سخت ناانصافی کی گئی ہے اور ناقص معلومات اور قیاسات کی بنیاد پر غلط نتائج اخذ کئے گئے ہیں ۔ ارادہ کیا کہ اسکا علمی اور فکری تجزیہ کیا جائے مگر اسے فتوے کی مکمل اشاعت تک ملتوی کردیا ۔ دوسال سے زیادہ عرصہ گزرچکا ہے اور ہنوز اس کی اگلی قسط شائع نہیں ہوئی لہذا قسط اول ہی کو سامنے رکھ کر چند علمی حقائق پیش کرنے کی جسارت کی جاتی ہے ۔

علم کی کسی صنف میں طبع آزمائی کے لئے اس کی ابتدائی اور بنیادی معلومات کا حصول نہایت ضروری ہے ۔ اگر موضوع کسی فن سے متعلق ہوتو اس پر بحث کےلئے گہرے مطالعے کی ضرورت ہوتی ہے ، نیز ماہرین فن کی رہنمائی میں ایک عرصے تک تحقیقی مراحل طے کرنا پڑتے ہیں ۔ اس کے بغیر مقالے اور فتوے تحریر کرنے اور ان میں بڑی بڑی باتیں بیان کرنے سے عظیم فروگذاشتیں عمل میں آتی ہیں اور " لاتقربوالصلوٰة" والا معاملہ ہوجاتا ہے کہ ملحقہ عبارت کو چھوڑ کر یا اس کے پس منظر سے آگاہی حاصل کئے بغیر محض عربی زبان کے چند الفاظ کی شدبد کی بنیاد پر نماز ہی کے عدم جواز کا فتویٰ دے دیا جائے ۔ ہر عالم اور فاضل کی علمی مہارت ایک خاص موضوع تک محدود ہوتی ہے ۔ کوئی نامور مقرر یا اہل قلم بڑی بڑی ڈگریوں کا حامل ہونے کے باوجود علم کی ہر صنف میں علامہ نہیں ہو سکتا ۔ ایک شیخ الحدیث جو متعلقہ موضوع پر جو دسترس رکھتا ہے ۔ شیخ القرآن اس موضوع سے نہایت قریبی تعلق رکھنے کے باوجود ویسی مہارت کا حامل نہیں ہوتا ۔ سائنسی نوعیت کی ایک بالکل ہی غیر متعلقہ شاخ میں ماہرانہ طبع آزمائی کی کوشش کرنا دوسروں کو خود پر ہنسی اڑانے کا موقع فراہم کرتا ہے ۔ ایسے شخص کےلئے تو اس مضمون کی توضیحات کو درست طور پر سمجھ لینا بھی دشوار ہوتا ہے ، چہ جائیکہ وہ اپنی علمیت کا رعب جمانے کےلئے اس فن پر سند ہونے کا دعویٰ کردے ۔ فلسفیانہ نکات کے بیان اور سائنسی اصولوں کی روشنی میں بحث دونوں میں یکساں مہارت کا حامل ہونا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی ۔ ان کی نوعیت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے ۔ اول الذکر

صورت میں ایک شخص اپنے کسی خاص وصف کی بدولت الفاظ کی جادوگری سے عوام الناس میں اپنی خوب واہ واہ کرواسکتا ہے ۔ اس مقصد کےلئے اس میں موضوع کو محض دلچسپ اور منفرد انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت ہونی چاہئیے ۔ اس طرح وہ اپنی تخیلاتی اور تصوراتی پروازوں کے زور پر سامعین یا قارئین سے خود کو منواسکتا ہے مگر سائنسی مضامین کے بیان میں یہ استعمال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان فنون کے مسلمہ اصول اور کلیے غلط توضیحات کو باطل قرار دینے کےلئے کافی ہوتے ہیں ۔ متذکرہ فتویٰ بلاشبہ کارآمد فلکیاتی اشکال سے مزین ہے البتہ فلکیاتی موضوع کی کسی کتاب سے زمین اور چاند کے متعلق بعض قطعاً غیر ضروری اعدادوشمار نقل کرکے واقف حال قارئین کےلئے تفنن طبع کا سامان بہم پہنچایا گیا ہے ۔ دوربینوں کے عدسوں کی استعداد کے بارے میں بےمقصد تفصیلات شامل کی گئی ہیں ۔ انگریزی اصطلاحوں کے جابجا استعمال انگریزی مآخذ کے حوالے اور معلومات کے یہ ڈھیر دیکھ کر ناواقف اشخاص اس وہم میں مبتلا ہوسکتے ہیں کہ فاضل فتویٰ نگار کو اس موضوع پر مکمل عبور حاصل ہے مگر جب علوم فلکیات کے مبتدی طالب علم بھی سائنسی اصولوں کی روشنی میں اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ دنگ رہ جاتے ہیں کہ ایک عالم اور فاضل کہلوانے والی ایک معروف عالمی شخصیت کی تحریر بنیادی غلطیوں سے کس قدر معمور ہے ! فاضل فتویٰ نگار کی دوسال تک پراسرار خاموشی سے یوں لگتا ہے کہ اس کی اشاعت کے بعد کسی کرم فرمانے انہیں بتا دیا ہوگا کہ اس تحریر کی کوئی علمی حیثیت نہیں لہذا اگلی قسط یا قسطیں روک لی گئیں ۔

انسان خطا کا پتلا ہے ۔ ہر شخص سے غیرارادی طور پر غلطی ہوجانا ممکن ہے مگر جہاں کوئی غلطی دوسروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہو اور غلطی کنندہ کو حقیقت حال کا علم ہوجائے تو اس پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے اوروں کو اس کے بداثرات سے بچانے کی کوشش کرے ۔ متذکرہ بالا صورت حال میں فاضل فتویٰ نگار کا فرض تھا کہ اگرنادانستگی میں ہی سہی ، غلط باتیں لکھ دی گئی تھیں تو قارئین کو آگاہ کردیتے کہ اس فتوے کو منسوخ کیا جاتا ہے لہذا اس کے مندرجات کو شرعی امور میں ماخذ نہ بنایا جائے ۔ پھر یہ بھی ضروری تھا کہ اس امر کی مناسب طور پر تشہیر کی جائے تاکہ ہر خاص وعام گمراہی سے بچ جائے ۔ یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ، ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے ۔ دیانت دار علماء اور فضلاء نے لاعلمی میں بیان کردہ اپنی تحریروں یا تقریروں کے ایسے حصوں کا ذکر کرتے ہوئے انہیں اپنی جہالت تک قرار دیا اور اس اقرار میں کوئی شرم نہ کی اور اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگی کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ خلق خدا ان غلط باتوں سے گمراہ ہو اور اس کا بار روزقیامت ان کی گردن پر پڑے ۔ جن کے دل میں ذرا بھی خوف ہو وہ ایسے معاملے میں دنیوی عزت ونمود کو خاطر میں نہیں لاتے اور نہایت عجزوانکساری کے ساتھ اپنی غلطی کا برملا اعلان کردیتے ہیں ۔ فاضل فتویٰ نگار کو خیال کرنا چاہیئے کہ ان کی خاموشی سے

موضوع کی جزئیات سے ناواقف کس قدر لوگ، جو ان کی علمیت پر اعتقاد اور یقین رکھتے ہیں، ان غلط باتوں کو قبول کئے رکھیں گے اور رؤیت ہلال کے غلط نظریات کی ترویج میں اسلامی عبادات کے مقررہ ایام کو اصل مقام سے ہٹاتے رہیں گے۔ پھر یہی لوگ یہ غلط نظریات دوسروں کو منتقل کرتے رہیں گے اور کب تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ سیانے کہتے ہیں کہ اپنی غلطیوں کا اعتراف بہت بڑی بہادری ہے اور ایسے لوگ قابل صد احترام ہوتے ہیں۔ اس سے عزت برباد نہیں ہوتی بلکہ اور بڑھتی ہے۔ انا مجروح نہیں ہوتی بلکہ اور قوی ہوتی ہے۔ بس خلوص شرط ہے۔ خاموشی یا ٹال مٹول سے کام لے کر اپنی غلط باتوں کی تردید نہ کرنا گمراہی پھیلانے کے مترادف ہے۔ اگر یہ فلکیاتی تشریحات کے موضوع پر محض ایک معلوماتی مضمون ہوتا اور اس میں اس سے بھی زیادہ غلطیاں ہوتیں تو راقم خاموش رہتا مگر چونکہ رؤیت ہلال ہمارا دینی و ملی مسئلہ ہے اور یہاں اسے ایک فتوے کی صورت دی گئی ہے جس میں غلط مفروضوں کی بنیاد پر ایسے نتائج اخذ کئے گئے ہیں جو علوم فلکیات کے مسلمہ اصولوں کی نفی کرنے کے علاوہ شرعی اصولوں سے بھی متصادم ہیں لہذا یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ اس تحریر کو فنی بنیادوں پر پرکھا جائے۔ اگرچہ اس میں بہت سی باتیں محل نظر ہیں مگر طوالت کے خوف کو مدنظر رکھتے ہوئے چیدہ چیدہ نکات ہی کو زیر بحث لایا جاتا ہے اور انہیں ماہرین فن کے حوالوں کے ساتھ عام فہم انداز میں پیش کیا جاتا ہے کیونکہ غیر متعلق جزوی اصطلاحوں اور بے مقصد اعداد و شمار کے ڈھیر لگا کر ان سے قارئین کو مرعوب کرنا قطعی مقصود نہیں۔

<u>چاند کی ماہانہ گردش کا عرصہ</u> :- قیرانی ماہ (Synodic Month) کا ذکر کرتے ہوئے فاضل فتویٰ نگار تحریر کرتے ہیں: "واقعتاً پچھلے قران (نئے چاند کی ولادت) سے اگلے قران (نئے چاند کی ولادت) تک کا عرصہ ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ اور ۲٫۸ سیکنڈ ہے...... یہ عرصہ علم ہیئت و افلاک کی جدید تحقیقات کے ذریعے حتمی و قطعی طور پر ثابت اور متعین ہوچکا ہے اس میں کسی ایک ماہ میں بھی کمی بیشی نہیں ہوتی" (صفحہ ۴۴)۔ فاضل فتویٰ نگار جس عرصے کو "حتمی و قطعی" سمجھے، دراصل وہ اوسط مدت ہے۔ قمری گردش کی مدت میں ہر ماہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا امریکانہ میں اس کی یوں توضیح کی گئی ہے: "قرانی ماہ کی اوسط مدت ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ اور ۲٫۷۸ سیکنڈ ہوتی ہے۔ اس عرصے میں تیرہ گھنٹے تک کا فرق ہوسکتا ہے" (جلد ۱۹ صفحہ ۴۲۶، ۴۲۶)

سیگراہل انسائیکلوپیڈیا میں اسے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: "قرانی عرصے کی اوسط مدت ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ہوتی ہے اور چاند کے دائرہ گردش میں اس کی بے قاعدہ چال کے باعث تقریباً ۱۳ گھنٹے تک کا فرق ہوتا ہے"۔ (جلد ۱۱، صفحہ ۴۲۰)۔ یہ فرق اوسط مدت سے اردگرد منٹوں سے گھنٹوں تک پھیلا ہوتا ہے۔

راقم نے اپنے رسالے " رویت ہلال موجودہ دور میں " میں اس فرق کو اس طرح بیان کیا ہے : " ایک نئے چاند سے دوسرے نئے چاند کی مدت ۲۹ دن ۶ گھنٹے اور ۲۹ دن ۲۰ گھنٹے کے درمیان مختلف مہینوں میں مختلف ہوتی ہے اور اس کا کوئی یکساں معیار مقرر نہیں "۔ (صفحہ ۲۹)

اگر فاضل فتویٰ نگار تھوڑا سا تردد فرماکر اپنے ہی فتوے میں پیش کردہ قران شمسی وقمر کے اوقات میں ماہانہ فرق کا حساب کرلیتے تو وہ مغالطے میں نہ رہتے ۔ اسکے ثبوت میں انہی کی تحریر میں درج فلکیاتی جدول (صفحات : ۵۵ : ۵۶) سے ۱۹۹۲ء کے چند مہینوں کی قرانی مدت کے ۲۹ دن سے اضافی گھنٹے اور منٹ معلوم کرتے ہیں ۔

جنوری فروری ___ ۱۹ گھنٹے ۵۰ منٹ	فروری مارچ ___ ۱۸ گھنٹے ۲۳ منٹ
مارچ اپریل ___ ۱۵ گھنٹے ۳۹ منٹ	اپریل مئی ___ ۱۲ گھنٹے ۴۳ منٹ
مئی جون ___ ۱۰ گھنٹے ۱۲ منٹ	جون جولائی ___ ۸ گھنٹے ۲۲ منٹ
جولائی اگست ___ ۷ گھنٹے ۱۷ منٹ	اگست ستمبر ___ ۷ گھنٹے ۶ منٹ

مزید سالوں کے اعداد وشمار سے اس سے بھی کم مدت کے مہینوں کی نشان دہی کی جاسکتی ہے ۔ اس کے لئے گرینچ کی عالمی رصدگاہ کے مہیاکردہ اوقات مندرج " جوہر تقویم " (صفحات : ۲۵۱ - ۲۵۲) سے فقط ۲ مثالیں پیش کی جاتی ہیں ۔

جون جولائی ۲۰۷۰ء ___ ۶ گھنٹے ۵۰ منٹ جون جولائی ۲۰۷۱ء ___ ۶ گھنٹے ۳۲ منٹ

ثابت ہوا کہ چاند کی ماہانہ گردش کا عرصہ " حتمی وقطعی " نہیں بلکہ اسمیں ہر ماہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے ۔

چاند کا زمین کی جانب حصہ :- " چاند کا گھٹنا بڑھنا " کے عنوان کے تحت فاضل فتویٰ نگار تحریر کرتے ہیں : " .... چاند کا ۵۹ فیصد حصہ زمین کی جانب رہتا ہے اور ۴۱ فیصد دوسری سمت جو ہمیں کبھی بھی دکھائی نہیں دیتا ۔ جب ہم چودھویں رات میں ماہ کامل دیکھتے ہیں تو فی الحقیقت اس وقت ہم چاند کا ۵۹ فیصد حصہ دیکھ رہے ہوتے ہیں "۔ (صفحہ ۴۵) ۔ فاضل فتویٰ نگار نے کہیں سے ۵۹ فی صد کا ذکر پڑھ لیا اور اس کی توضیح کا مطالعہ کئے بغیر اسے ماہ کامل سے منطبق کردیا ۔ صحیح کیفیت انسائیکلوپیڈیا امریکانہ میں یوں تحریر ہے : " کسی بھی مقام سے کسی ایک وقت پر زمین سے چاند کی ۵۰ فیصد سے زیادہ سطح دکھائی نہیں دے سکتی تاہم چاند کی چند حقیقی اور نمایاں حرکات ہمیں اس قابل بناتی ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ متذکرہ فی صد سے کچھ زیادہ حصہ دیکھ سکیں "۔ (جلد : ۱۹ صفحہ : ۴۲۶)

انسائیکلوپیڈیا میں اس کے بعد چاند کی وہ خاص حرکات بیان کی گئی ہیں جو علم ہیئت کی اصطلاح میں " متحرک ترازو کی مانند جھولنے " (Librations) کہلاتی ہیں ۔ چاند کی ہیئت اور زمین کے گرد اس کی بے قاعدہ

گردش کے دوران واقع ہونے والے ان جھولنوں کے باعث مختلف موقعوں پر اس کی سطح کی مزید ہلکی ہلکی مختصر جھلکیاں نظر آتی ہیں ۔ اس کے نتیجے میں : " بحثیت مجموعی چاند کی سطح کی زائد جھلکیاں چاند کو کسی ایک وقت پر دیکھے جانے کی نسبت ۹ فیصد زیادہ ظہور میں آتی ہیں ، جس سے جملہ فیصد ۵۹ ہوجاتی ہے " (ایضاً) یعنی ایک وقت پر زمین سے دکھائی دینے والے چاند کی سطح زیادہ سے زیادہ ۵۰ فیصد تک دکھائی دیتی ہے ۔ ۵۹ فیصد نہیں ۔

ننگی آنکھ کی رویت کا ریکارڈ :- اس عنوان کے تحت فاضل فتویٰ نگار کم عمر کے ہلال دکھائی دیے جانے کے چند ریکارڈ پیش کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ : " ننگی آنکھ کی رؤیت میں چاند (ہلال) کا ۲۰ گھنٹوں سے بھی کم عمر میں ، حتیٰ کہ ساڑھے چودہ سے سولہ گھنٹوں کی عمر میں دکھائی دیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ پیدائش قمر (قران) کے بعد ہلال بعض اوقات اتنے عرصے میں ننگی آنکھ سے دیکھ جانے کے قابل ہوجاتا ہے مگر مختلف مطالع پر مقامی ، موسمی اور فضائی یا ہوائی کیفیات کے باعث عام طور پر دکھائی نہیں دیتا " ۔ (صفحہ : ۴۹) فاضل فتویٰ نگار نے انگلستان میں ۱۸۹۵ء سنہ ۱۹۱۰ء اور سنہ ۱۹۱۶ء کے تین مہینوں کے ساڑھے چودہ سے سولہ گھنٹوں کی عمر کے ہلال ننگی آنکھوں سے دکھائی دیے جانے کی جو مثالیں پیش کی ہیں اگرچہ ان کا تذکرہ فلکیاتی مضامین کے ریکارڈ میں پایا جاتا ہے مگر حقیقتاً ماہرین فلکیات اسے تسلیم نہیں کرتے ۔ راقم نے ماہرانہ رائے کے حصول کے لئے رصدگاہ گرینچ سے رابطہ کیا ۔ جواب میں ڈاکٹر برنارڈ یالوپ (Dr.BArnard Yallop) نے اپنے مراسلے محررہ ۲۶ جولائی ۱۹۹۷ء میں تحریر کیا : " سہ ماہی جرنل آف دی رائل اسٹرانومیکل سوسائٹی (۱۹۹۳ء) جلد ۳۴ نمبر ا صفحات ۵۳ تا ۵۶ پر سکیفر (Schaefer) نے واضح کیا ہے کہ انگلستان میں ۲۲ جولائی ۱۸۹۵ء ۱۰ فروری سنہ ۱۹۱۰ء اور ۲ مئی سنہ ۱۹۱۶ء کی مبینہ رؤیت ہلال ناقابل اعتماد تھیں " ۔ عجیب بات یہ ہے کہ فاضل فتویٰ نگار اپنی تحریر میں متذکرہ بالا دونوں ماہرین فلکیات کو " جدید ترین رصدگاہی ماڈلز " تسلیم کرتے ہیں اور جابجا ان کے حوالے دیتے ہیں مگر جس ریکارڈ کو ان کے ماڈلز " بھی تسلیم نہیں کرتے وہ انہی حوالوں کی بنیاد پر رؤیت ہلال کا معیار متعین کرتے ہیں اور ایسے مفروضے قائم کرتے ہیں جنہیں سن کر سائنس دان بھی دنگ رہ جائیں ۔ انگلستان میں تقریباً ایک صدی قبل کن لوگوں نے اتنی کم عمر کے ہلال دیکھنے کا دعویٰ کیا ؟ کیا وہ لوگ قابل اعتبار تھے ؟ کیا انہوں نے واقعی ہلال دیکھا یا سائنسی فلکیاتی تحقیقات کے پرچوں میں اپنی خصوصی اہمیت اجاگر کرنے کی خاطر فرضی ریکارڈ پیش کیے ؟ فاضل فتویٰ نگار نے ان باتوں کی تحقیق کی زحمت گوارا نہ کی حالانکہ سائنس دان اس بارے میں بہت محتاط ہوتے ہیں ۔ رصدگاہ گرینچ کی اسٹرانومیکل انفارمیشن شیٹ نمبر ۶ محررہ مارچ ۱۹۹۶ء میں تجویز کیا گیا ہے کہ : " رویت ہلال کا مشاہدہ چند غیر وابستہ (Independe) افراد کے ذریعے ہونا چاہئے کیونکہ

غیرارادی طور پر غلط رؤیت کیے جانے کا ہمیشہ امکان ہوتا ہے"۔ رصدگاہی ماہرین کی یہ تجویز حیرت انگیز طور پر ان ضابطوں سے مشابہت رکھتی ہے جو اسلامی فقہ میں رؤیت ہلال کی شہادتوں کے ضمن میں بیان کیے جاتے ہیں۔ یہاں پر ایک اور" ریکارڈ" کا ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

۱۹۸۴ء میں ۲۹ رمضان المبارک کو لاہور میں چند شہادتوں کی بنیاد پر عیدالفطر کی رؤیت ہوجانے کا اعلان کیا گیا۔ فلکیاتی اوقات کے اعتبار سے ان لوگوں نے گیارہ گھنٹے کی عمر کا چاند دیکھ لیا۔ رؤیت ہلال کمیٹی کے ایک معزز رکن سے راقم کی اس مسئلے پر گفتگو ہوئی تو راقم نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ گواہی دینے والے افراد کو مطلع پر موجود کسی اور شے پر چاند کا گمان ہوا وگرنہ اس عمر کا چاند کسی صورت دکھائی نہیں دے سکتا۔ بعد میں راقم نے اس بارے میں ملائشیاء کی سائنس یونیورسٹی کے ایک مسلمان ماہر فلکیات ڈاکٹر محمد الیاس کے علاوہ رصدگاہ گرینچ سے ماہرانہ آراء حاصل کیں۔ دونوں نے اس شام رؤیت کے امکان سے قطعی اختلاف کیا۔ یہ آراء انہی دنوں ایک قومی اخبار کے ایک معروف کالم میں شائع ہوئیں۔ رصدگاہ گرینچ کی اس رائے سے کہ" غیرارادی طور پر غلط رؤیت کیے جانے کا ہمیشہ امکان ہوتا ہے" راقم کے متذکرہ بالا یقین کی تصدیق ہوتی ہے۔ جدید ترین سائنسی تحقیق میں رؤیت ہلال کی شہادت کا یہ معیار مقرر کیا گیا ہے تو ایک صدی قبل کی غیر مستند روایات پر آنکھیں بند کرکے کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ چہ جائیکہ انہیں رؤیت ہلال کا معیار بنالیا جائے اور اس سے سائنسی اور شرعی اصول وضع کیے جائیں۔ ہمارے لاہور کے شاہدوں نے گیارہ گھنٹے کی عمر کا چاند دیکھ کر نہ صرف انگلستان کے مبّینہ ریکارڈ کو تین چار گھنٹوں کے فرق سے توڑا بلکہ وہ (اگلے عنوان کے تحت) فاضل فتویٰ نگار کے پیش کردہ کم ازکم ۱۳ گھنٹے کے دوربینی ریکارڈ کو بھی دو گھنٹوں کے فرق سے مات دے گئے۔ فاضل فتویٰ نگار نے لاہور میں کم ازکم عمر کے ہلال دکھائی دینے کی جو مثالیں دیں وہ ۱۹ تا ۲۲ گھنٹوں کے درمیان ہیں۔ انہوں نے جس کتاب سے یہ معلومات حاصل کیں اس میں اس واقعے سے دوسال قبل تک کی تفصیلات درج ہیں۔ اگر انہیں اس" ریکارڈ توڑ" رؤیت ہلال کا علم ہو جاتا تو وہ اسے لازمی طور پر سرفہرست پیش کرتے۔

<u>نیا بصری فلسفہ</u> :- فاضل فتویٰ نگار نے دوربین کے ذریعے کم ازکم ۱۳ گھنٹے کی عمر کا ہلال دیکھے جانے کا ریکارڈ پیش کرتے ہوئے ننگی آنکھ اور دوربینی آلات کی رؤیتوں میں فرق کو بہت معمولی بتایا ہے۔ انہوں نے چند مفروضے قائم کیے ہیں اور انکی بنیاد پر ایک نیا بصری فلسفہ پیش کیا ہے۔ چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

" ہلال کو ننگی آنکھ سے دیکھنا یا جدید رصدگاہی آلات اور دوربین کے ذریعے دیکھنا دونوں رؤیتیں اصلاً ایک ہی چیز ہیں۔ ان میں بنیادی طور پر کوئی تضاد یا تخالف نہیں ہے بلکہ دوسری صورت پہلی ہی

صورت کیلئے ممدومعاون کا درجہ رکھتی ہے "۔ (صفحہ ۴۷) " جولوگ محض بصری رؤیت کو معتبر اور آلاتی و دوربینی رؤیت کو غیر معتبر سمجھتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ رصدگاہی آلات اور دوربینیں کتنی ہی طاقت ور کیوں نہ ہوں ہلال کو عدم سے وجود میں نہیں لاسکتیں۔" (ایضاً) " جب ایک شخص کی بینائی کمزور ہوجائے تو عینک کی امداد سے وہ اپنی طبعی قوت مشاہدہ میں اضافہ کرلیتا ہے ۔ اسے ہر کوئی جائز سمجھتا ہے تو دوربین (Telescope) جیسے آلات بھی اسی قبیل میں آتے ہیں کیونکہ ان سے بھی فقط قوت مشاہدہ استعداد وادراک میں اضافہ ہوجاتا ہے اور چاند جو بعض اوقات یا بعض مقامات پر مطلع کی دھندلاہٹ کے باعث ننگی آنکھ سے دکھائی نہیں دیتا ۔ یہ آلات انکی رؤیت آسان اور شفاف بنادیتے ہیں لہذا شرعاً وعقلاً ان آلات کی مدد سے واقع ہونے والی رؤیت اور ننگی آنکھ کی رؤیت میں کوئی فرق نہیں ہے "۔ (صفحہ ۴۹) ۔ " حقیقتاً دوربین سے بھی ہلال کو انسانی آنکھ نے ہی دیکھا ہے ۔" (ایضاً) ۔ بینائی کمزور ہونے کی صورت میں عینک کے استعمال کو خواہ مخواہ فقہی انداز دے کر اس کے جائز سمجھے جانے کو ایک حجت کے طور پر پیش کیا گیا حالانکہ اس کا مسئلہ رؤیت ہلال سے مطابق کوئی بنیاد نہیں رکھتا ۔ عینک پہننے سے بصارت میں زیادہ سے زیادہ اس قدر اضافہ ہوتا ہے جو ایک مکمل صحت مند نظر رکھنے والے فرد میں ہوتا ہے جبکہ دوربینیں یا ٹیلی سکوپ دوردراز کی ایسی اشیاء کو بھی واضح طور پر دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جنہیں انسانی آنکھیں نقطوں کی صورت میں بھی نہیں دیکھ سکتیں ۔ جس طرح چاند اپنی پیدائش کے کچھ دیر بعد ہلال کی صورت اختیار کرنا شروع کردیتا ہے مگر جب تک وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتا وہ ایک لحاظ سے ہمارے لئے معدوم ہی ہوتا ہے اسی طرح متذکرہ شے بھی انسانی آنکھ کے لئے معدوم تھی جسے دوربین یا ٹیلی سکوپ وجود میں لے آئے ۔ جب تیز ترین بصارت کی حامل ہزارہا انسانی آنکھیں کوشش کے باوجود صاف مطلع میں بھی ہلال کو نہ دیکھ سکیں تو ایسی صورت میں دوربین یا ٹیلی سکوپ کی مدد سے دیکھے گئے ہلال کے متعلق یہ کہنا کہ اسے انسانی آنکھ ہی نے دیکھا ہے انتہائی بےوزن دلیل ہے ۔

سائنس کی روزافزوں حیرت انگیز ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس امر کو بعیدازقیاس قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ایک وقت آنے والا ہے جب ایسی طاقتور دوربینیں اور ٹیلی سکوپ ایجاد ہوجائیں گے جو چند منٹوں کی عمر کے چاند کی باریک ترین روشن ہوتی ہوئی قوس کو بھی دیکھ سکیں گے ۔ اگر آج ایک خاص طاقت کی دوربینوں کی استعداد کو معیار بناکر تیرہ چودہ گھنٹے کی عمر کے چاند کو رؤیت ہلال کی بنیاد قرار دیا جائے تو کیا مستقبل میں رؤیت ہلال کا معیار پھر بدل دیا جائے گا ؟ اور کیا کسی ادارے سے پھر ایک نیا فتویٰ جاری ہوگا کہ اصل میں قرن شمس وقمر کا دوسرا لمحہ ہی رؤیت ہلال ہے ۔ دوربینیں اور ٹیلی سکوپ کس قدر ہی ترقی کرجائیں لیکن یہ امر طے ہے کہ انسانی آنکھ کی طاقت اس وقت بھی آج سے زیادہ طاقتور نہیں ہوگی ۔

کیا اس وقت کے فتویٰ نگار بھی انسانی بصارت اور ٹیلی سکوپ کے اس عظیم بُعد کو ایک ہی کیفیت قرار دیں گے ؟ اگر کل کو یہی فیصلہ دینا ہے تو پھر بتدریج کی کیا ضرورت ہے ؟ آج بھی مشرق وسطیٰ کے ان ممالک کی تقلید کی جاسکتی ہے جو ایک عرصے سے قران شمس وقمر کو رؤیت ہلال کی بنیاد بناچکے ہیں ۔ ان میں سے ایک طبقے کا فتویٰ یہ ہے کہ قران کے بعد جو بھی غروب آفتاب ہو (خواہ ایک منٹ بعد ہو) وہی رؤیت ہلال کی شام ہے ۔ اس سے بھی بڑھکر دوسرا طبقہ اس شام کو بھی رؤیت ہلال کا درجہ دیتا ہے جس میں قران نصف شب سے پہلے ہوجائے ، یعنی وہ قران سے بھی کئی گھنٹے قبل چاند ہوجانے کا اعلان کردیتا ہے ۔ وہ چاند دیکھنے دکھانے کے چکر میں ہی نہیں پڑتے ۔ ہمارے ہاں اس انتہاتک پہنچنے کی یہ ابتدائی کوشش معلوم ہوتی ہے ۔ " بغیر آلات بصری رؤیت" اور آلات کی مدد سے بصری رؤیت " جیسی اصطلاحیں وضع کرنے والے شاید ایک خاص طرز کی تجدید اسلام چاہتے ہیں ۔

<u>حتمیت اور قطعیت کے دعوے</u> :- سورج ، چاند اور زمین سے متعلق ہر قسم کی جغرافیائی ، ہیئتی اور فلکیاتی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے فاضل فتویٰ نگار تحریر کرتے ہیں :

" ..... عرصہ ہائے دراز کے مطالعہ ومشاہدہ کے بعد یہ تمام اعدادوشمار باقاعدہ حساب وکتاب اور فارمولوں کی شکل میں ۲ + ۲ = ۴ کی طرح قطعی ویقینی علم کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں اس لئے علم الھئیۃ اور علم الرؤیہ اب فی الحقیقت " علم الحساب" بن گیا ہے ۔ اسی میں اب ظن وخطا کی وہ کیفیت نہیں رہی جو پہلے تھی ۔ اس وقت ہمارے فقہاء کرام علم فلکیات کے ماہروں کے اندازوں کو کاملاً درست تسلیم نہیں کرتے تھے اس لئے ان پر مدار رویت ممکن نہ تھا ۔ اس وقت تک اس باب میں سائنسی تحقیقات ومعلومات خود بلوغ وکمال اور فلکیاتی حساب میں حتمیت وقطعیت کے مقام تک نہ پہنچی تھیں مگر اب صورتحال یکسر بدل چکی ہے ۔ اب علم ہئیت وفلکیات حساب کے درجہ میں " علم یقین" میں بدل چکا ہے " ۔ (صفحہ : ۵۴) ۔ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کیلئے فاضل فتویٰ نگار نے گذشتہ و آئندہ کے چند سالوں کے قران شمس وقمر کی تاریخیں اور اوقات منٹوں اور سیکنڈوں تک میں پیش کئے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنسدان یہ مہارت آج نہیں ، ایک مدت ہوئی حاصل کرچکے ہیں ۔ رہی اصل مسئلے کی بات تو عرض ہے کہ رؤیت ہلال کے معاملے میں سائنسی تحقیقات ومعلومات ابھی تک " حتمیت وقطعیت" کے مقام تک نہیں پہنچیں ۔ اس کے ثبوت میں دو مختصر حوالے درج کئے جاتے ہیں ۔ رصدگاہ گرینچ کی جاری کردہ اسٹرانومیکل انفاریشن شیٹ نمبر ۶ محررہ مارچ ۱۹۹۶ء بعنوان " نئے ہلال کے پہلی مرتبہ دکھائی دئے جانے کی پیش گوئی پر ایک نوٹ " کے شروع میں ہی یہ بتادیا گیا ہے کہ : " قطعی طور پر یہ پیش گوئی کرنا کہ ایک خاص مقام پر

مہینے کا نیا ہلال پہلی مرتبہ کب تک دکھائی دے گا، ممکن نہیں "۔ رصدگاہ گرینچ ہی کے ڈاکٹر برنارڈ لوپ راقم کے نام اپنے خط محررہ، ستمبر ۱۹۹۶ء میں تحریر کرتے ہیں: "کسی بھی وقت اور کسی بھی مقام سے چاند کے ہندسی رخ (Geometrical Aspect) کا حساب لگانا تو ممکن ہے مگر یقینی طور پر یہ پیش گوئی کرنا کہ آیا چاند نظر آئے گا، ممکن نہیں "۔ واضح ہو کہ فاضل فتویٰ نگار نے جب " حتمیت " کا دعویٰ کیا، متذکرہ بالا ماہرانہ آراء اس کے بعد تحریر ہوئیں۔ ثابت ہوا کہ رؤیت ہلال کے معاملے میں سائنسی تحقیقات ابھی تک " حتمیت وقطعیت" کے مقام تک نہیں پہنچیں لہذا چاند کی ہئیت اسکی حرکات رفتار، گردش کے دائروں، زاویوں، اوقات وغیرہ وغیرہ کی معلومات کو حتمی کہہ دینے کے باوجود اس کا اطلاق رؤیت ہلال پر زبردستی نہیں کیا جاسکتا۔ فاضل فتویٰ نگار نے جس طرح قمری مہینوں کی اوسط مدت کو بڑے وثوق کے ساتھ ہر ماہ کا" حتمی وقطعی" عرصہ قرار دے کر لاعلمی کا ثبوت دیا۔ اس معاملے میں بھی اسی علمیت کو برقرار رکھا۔

سائنسی تحقیق سے عدم واقفیت اور نئی فقہ :- فاضل فتویٰ نگار تحریر کرتے ہیں:

" یہ موازنہ اور تحقیق اسلئے پیش کی گئی ہے کہ وہ مذہبی ذہن جنہیں سائنسی تحقیقات وانکشافات سے عدم تفیت کی بنا پر بلاوجہ سائنس اور جدید ٹیکنالوجی سے اختلاف اور نفرت ہے اور وہ سائنسی آلات اور انکے مشاہدات کی نسبت مغالطہ اور بدگمانی میں مبتلا رہتے ہیں وہ اپنا خیال درست کر سکیں ...."۔ (صفحہ ۴۹)۔

سائنسی تحقیق سے بے خبری کی بنا پر سائنس سے اختلاف اور نفرت کرنا اور بدگمانی میں مبتلا رہنا کسی طور مستحسن نہیں۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو ضرورت سے زیادہ ماڈرن بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ہر مسئلے کو سائنس کی روشنی میں پرکھنے کا پرچار کرتے ہیں مگر خود سائنسی اصولوں سے لاعلم ہوتے ہیں۔ اگر جدیدیت کا شکار یہ لوگ اپنی ناقص سائنسی معلومات کی بنیاد پر نئی فقہ ترتیب دینے لگے تو پھر اسلام کا اللہ ہی حافظ ہے۔

خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

شیخ الحدیث مولانا الطاف الرحمان صاحب حقانی بنوی

پیر رومی مرشد روشن ضمیر

انسان نہ صرف اپنی ظاہری ھئیت اور شکل وصورت میں احسن تقویم اور قدرت کا تخلیقی شاہکار ہے بلکہ اپنے باطنی امکانات اور مضمرات کے اعتبار سے بھی ایک محیر العقول خزینہ اسرار اور گنجینہ کمالات ہے۔ " الذین جاهدوا فینا لنهد ینهم سبلنا " کے وعدہ الہیٰ کے بموجب مطالعہ قدرت کے نتیجے میں سائنسی ترقی کی بنیاد پر جہاں اس عملی ترکتازیاں انسانی دنیا کے معلوم ومعروف حدود کو عبور کررہی ہیں وہاں عبودیت اور تعلق مع اللہ کے بل بوتے پر اسکی روحانی حوصلہ مندیاں دائرہ امکان کے آخری سرحدوں کو روندتی ہوئی رفعت سرائے وجوب پر دستک دیتی نظر آرہی ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں
اور راہ یک گام ہے ھمت کیلئے عرش بریں کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

گو ہر انسان کی ھئیت ترکیبی میں گوناگوں کمالات کی صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں لیکن قدرت کی حکمت بالغہ اس میں سے بعض کو بعض دوسروں کی بہ نسبت ترقی اور نشوونما کے نسبتاً زیادہ مواقع فراہم کردیتی ہے جن سے انکی واضح فوقیت اور غلبہ کی راہیں ھموار ہوجاتی ہیں اورانسان زندگی کی ایک خاص جہت اور سمت میں اختصاص اور امتیاز کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے اور پھر تاریخی طور پر یہی مقام اسکا تشخص قرار پاتا ہے۔ قرآنی آیت " قل کل یعمل علی شاکلته " میں اسی حقیقت کا بیان ہے اور علامہ اقبال نے رومیؒ اور رازیؒ کو اسی سرشتی تقسیم پر مبنی تاریخی تشخصات کے حوالے سے یاد کیا ہے۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں کبھی سوز وساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

کچھ لوگ کائنات کی ہر چیز کا مطالعہ اس کی فلسفیانہ پس منظر اور طبعی خصوصیات پر دسترس حاصل کرنے کیلئے کرتے ہیں اور کچھ دوسرے لوگ انہیں چیزوں کو ان کے خالق ومالک کی صفات واجبہ قدیمہ کے آئینے کی حیثیت سے غور وفکر کا موضوع بناتے ہیں، پہلی قسم کا مطالعہ مثلاً ارسطو وایڈیسن پیدا کرتا ہے، جبکہ دوسری قسم کا مطالعہ جنیدؒ وبسطامیؒ کی شکلیں اختیار کرتا ہے فلسفے اور سائنس کا علمبردار پہلا طبقہ اپنے فن میں جوں جوں آگے بڑھتا ہے توں توں علمی اور عملی طور پر خالق کائنات سے دور ہوتا جاتا ہے اور مادہ پرستی کا شکار ہوتا ہے، جبکہ لطیف ترانسانی جذبات

واحساسات سے مالا مال دوسرا طبقہ صفات الٰہی کے انعکاس کی برکت سے خداتعالیٰ کے قریب تر اور نہ صرف انسانیت دوستی بلکہ مطلقاً مخلوق نوازی کی علامت قرار پاتا ہے ۔ علامہ اقبال اپنی معنویت سے بھرپور شہرہ آفاق شاعری کے ذریعے انہیں دو باہم متقابل جماعتوں کا فرق اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ ذکر وفکر اور عقل ودل کے معنی خیز القاب وعنوانات سے انکا بار بار تذکرہ کرتا ہے

مقام ذکر کمالات رومیؒ وعطارؒ — مقام فکر مقالات بوعلی سینا
مقام فکر ہے پیمائش زماں و مکاں — مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرائیل نے — جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ آج تک بخوبی یاد ہے ۔ استاد مرحوم علامہ عبدالحلیم زروبی صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک درس تلویح توضیح کے بعض مجالس کی پوری کی پوری ھئیت کذائی تادم تحریر لوح ذھن پر بڑی وضاحت کے ساتھ مرتسم ہے ارشاد فرمایا امام رازیؒ صاحب تفسیر کبیر کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید پر تین سو عقلی دلائل ازبر تھے کسی موقعہ پر بڑے طنطنے اور فخریہ لہجے میں اپنے استاد نجم الدین کبریٰ سے اس کا ذکر کیا ۔ دیدہ ور اور روشن بصر استاد نے بڑی بے پرواہی سے جواب دیا ۔ رازی ! " یہ دلائل تو محجوبین کیلئے ہوا کرتے ہیں " ۔ اس قصہ کی تاریخی حیثیت کیا ہے روحانی تنبیہات کس درجہ میں ممکن ہیں ۔ ان بحثوں سے قطع نظر روحِ قصہ بلاشبہ برحق ہے ، اسی غرض کیلئے استاد مرحوم نے نقل کیا اور اسی غرض سے آج کی اس تحریر کو ذکر کیا گیا۔ علامہ اقبالؒ علم وفقر کے عنوان سے اسی روح قصہ کو یوں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں :

علم فقیه وحکیم فقر مسیح وکلیم — علم ہے جویائے راہ فقر ہے دانائے راہ
فقر مقام نظر علم مقام خبر — فقر میں مستی ثواب علم میں مستی ہے گناہ

تفکر کی راہ چلنے والے اکثر وبیشتر راہ کھوٹی کرکے رہتے ہیں ۔ الا یہ کہ رب تعالیٰ کی عنایتیں دستگیری کیلئے آگے بڑھیں اور اختلاط ذکر کی برکتوں سے مقام اطمینان کو پالیں ۔

فقر قرآن اختلاط ذکر و فکر — فکر را کامل ندیدم جزبہ ذکر

غزالیؒ اور رازیؒ اور ان جیسی کئی دوسری تاریخی شخصیتوں کی سرگزشت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ محض فکر کی وادیوں میں بھٹکتے پھرنے سے کچھ نہیں بنتا ہاں جب اس کے ساتھ عشق ومحبت کی نیازمندیاں ہمرکاب ہوئیں تو یہی سرگردان ہستیاں کس طرح چین وسکون کے زندہ جاوید پیکروں میں تبدیل ہوئیں ۔

عطارؒ ہو رومیؒ ہو رازیؒ کہ غزالیؒ ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

مولانا رومؒ آسمان امت پر اختلاط ذکر وفکر کا ایک بہت روشن اور درخشاں ستارہ ہے ۔ ساتویں صدی ھجری تک پہنچتے پہنچتے سارا عالم اسلام عقلیات کے شور وشغب سے گونج رہا تھا ۔ یونانی فلسفہ تشکیک کے دفاع میں ابوالحسن اشعریؒ وغیرہ نے جس برھانی علم کلام کی طرح ڈالی تھی گو اپنے وقت میں دشمنان دین کے خلاف ایک کامیاب ہتھیار ثابت ہوا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس نے مقصودیت کی شان اختیار کرلی تھی ۔ نتیجتاً وجدانی ایمان اور اس کی سرمستیاں ناپید ہوچکی تھیں بلاشبہ بحث وتکرار کے میدانوں میں تو اسلامی اعتقادی فتح مندیوں کے پھریرے بڑی شان وشوکت کے ساتھ لہرا رہے تھے اور علم ویقین کی حد تک اسلامی احکام واعمال کا حصار بڑی مضبوطی سے جما ہوا تھا لیکن عام طور پر خود مسلمان عین الیقین اور حق الیقین کی تروتازگی اور چاشنیوں سے نابلد ہوتے جارہے تھے ، چنانچہ پورے کا پورا دین کسی درخت کے اس چوب خشک کا منظر پیش کررہا تھا جس کے رگ رگ سے نمی اور طراوت رخصت ہوچکی ہو اور کسی بھی ابرنسیاں کے چھینٹوں اور بادبہاری کے جھونکوں سے اس کی شادابی اور بارآوری کی امیدیں دم توڑچکی ہوں ۔ اندریں حالات قدرت کی فیاضیوں اور مہربانیوں نے پیکر محسوس کے خوگر مسلمانوں میں عشق ومستی کا ذوق وشوق پیدا کرنے کیلئے اسی دور کی ایک ایسی شخصیت کو لاکھڑا کیا جو خود بھی دوسرے ابنائے عصر کی طرح مادی ناز ونعم اور علوم ظاہریہ کی دھوم دھام میں کھویا ہوا تھا اور اسی کو دینداری کا بہت بڑا کارنامہ سمجھ رہا تھا ۔ مولانا رومیؒ کی ابتدائی زندگی کے خاکے میں کوئی خاص رنگینی نظر نہیں آتی ہے بلاشبہ اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور درس وفتاویٰ کے مسند نشین تھے اور جیسا کہ عام طور پر ظاہریت کی اس روش کا لازمی تقاضا اور نتیجہ ہے ۔ مولانا بھی استدلال اور استنتاج کے معلوم ومعروف اور دیکھے بھالے اسلوب کے پابند تھے لیکن اچانک قسمت نے یاوری کی اور شمس تبریز کی صورت میں حقائق دینی کے ایک رمزشناس اور لذت آشنا سے سابقہ پڑا ۔ طبیعت میں عشق ومحبت اور سوزوگزار کا بنیادی مادہ اچھے خاصے مقدار میں موجود تھا پس جیسے ہی اس بارود کو شتابہ دکھایا گیا ایک زور دار دھماکہ ہوا جس نے نہ صرف اپنے زمانے کو ھلاکر رکھ دیا بلکہ آج تک اس کے جھٹکے محسوس کئے جارہے ہیں ۔ شمس تبریز جیسے مرد خدا کی صحبتوں نے آناً فاناً اسے ظاہریت سے پھر کر بحر حقیقت کا غواص اور شناور بنا دیا ۔ مولانا رومؒ کے تاریخی حالات شاھد ہیں کہ اسے عام طور پر اپنے اندرونی سوزومستی کی طغیانی وفراوانی کے لئے کسی بیرونی عامل ومحرک کی ضرورت پڑتی تھی ۔ مولانا زندگی کے مختلف ادوار میں شمس تبریز ، صلاح الدین زدکوب اور چلپی حسام الدین سے بےحد مانوس رہے انکی معیت اور رفاقت میں وہ بڑے مطمئن اور پرسکون رہا کرتے تھے لیکن ان کی جدائی کے آنات ولمحات مولانا پر بڑے شاق گزرتے تھے وہ محبت کی حرارت اور گرمی سے تڑپ اٹھتے اور اپنے داخلی

سوز و درد کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنے لگتے۔ مولانا کی شہرہ آفاق مثنوی انہیں گھڑیوں کی پیداوار ہے جس کی تاثیر نے امت کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور ایک طویل عرصے تک عشق الہیٰ کے محفلوں کو گرم اور آباد رکھا۔

مولانا نے مثنوی میں قرآنی اسلوب کا اتباع کیا اور دین کے بے شمار دقیق اور عمیق حقائق کو تشبیہ و تمثیل کے ایسے پر تاثیر پیرائے ہی پیش کیا کہ جس نے بیک وقت عقل اور وجدان دونوں کو قائل کر کے چھوڑا۔ مولانا عشق الہیٰ کو بندہ مؤمن کا کل سرمایہ حیات سمجھتے اور باور کراتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے من اے طبیب مجلہ علتھائے من
اے تو افلاطون وجالینوس من اے دوائے نحوت و ناموس من

انقلاب اموالی کے بعد مولانا رومؒ کو نہ صرف دنیا اور اہل دنیا سے دلچسپی باقی نہ رہی بلکہ دنیا داروں سے نفور رہا۔ مجاہدات دریاضات اور بالخصوص ذکر وصلاۃ کی جلوہ سامانیوں نے زھدوقناعت اور خلوت ویکسوئی کا ملکہ راسخہ پیدا کیا جس سے اس کی باطنی صلاحیتیں خوب خوب پروان چڑھیں اور زندگی کی آخری لمحات تک روبہ ترقی رہیں۔ دین وایمان کی تعبیر و تفہیم میں تشبیہ واستعارے کے جس بلیغ انداز کا مولانا نے آغاز فرمایا خود ہی اس کا خاتم بھی قرار پایا اس سلسلے میں ان کے بعد کوئی بھی اس کا سچا نائب وجانشین اور خلف السعید ورشید پیدا نہ ہوا۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے وھی آب وگل ایراں وھی تبریز ہے ساقی

ہاں ان کی وفات کے صدیوں بعد برصغیر پاک وہند میں انہیں کے گلشن حقیقت کا ایک نمائندہ اقبالؒ کی صورت میں نمودار ہوا، جنہوں نے اپنے دوررس اور پرشوکت شاعری سے کم ازکم نظری طور پر ان کے مشن کو خاصی تقویت پہنچائی۔ اقبالؒ جابجا مولانا کو پیررومی اور اپنے آپ کو مرید ہندی کے لقب سے یاد کرتا ہے اور سوال جواب کے پیرائے میں بہت گہرے اور غامض حقائق سے پردے اٹھاتا ہے وہ خود کو کسی ذھنی تحفظ کے بغیر بڑے فخر کے ساتھ مثنوی کے فیض صحبت کا ثمرہ اور اسی کے نشانات راہ کا جویا قرار دیتا ہے۔

پیر رومی مرشد روشن ضمیر کاروان عشق ومستی را امیر
منزلش برتر زماہ و آفتاب خیمہ را از کہکشاں ساز د طناب
نور قرآن درمیان سینہ اش جام جم شرمندہ از آئینہ اش
از نئے آں نے نواز پاک زاد باز شورے درنہاد من فتاد

جناب لفٹیننٹ کرنل ریٹائرڈ محمد اعظم اکوڑہ خٹک

قتیبہ بن مسلم
(فاتح چین و ترکستان)

عہد بنوامیہ میں خلیفہ ولید بن عبدالمالک کی خلافت کے زمانے میں تین نامور سپہ سالار اور فاتح سامنے آئے جنہوں نے اسلام کی عظمت کو پھیلانے اور رسول عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام یورپ ، چین اور برصغیر تک پہنچانے میں وہ کارنامے سرانجام دیئے جن کی مثال خلیفہ دوم حضرت عمرؓ فاروق کے عہد خلافت کی توسیع مملکت اور تبلیغ اسلام کے علاوہ کم ہی ملے گی ۔ یہ تینوں فاتح جن کے ذریعے اسلام کا نام شمالی افریقہ سے ہوتا ہوا سپین اور یورپ تک ۔ سنیٹرل ایشیاء کی ترک ریاستوں سے چین تک اور سندھ کی بندرگاہ دیبل کی فتح کے بعد ملتان تک پہنچا ۔ ولید بن عبدالملک کی وفات کے بعد اس کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کے خلیفہ بن جانے کے بعد اس کے ہاتھوں ایک سے انجام کو پہنچے ۔ خلیفہ سلیمان اور تاریخ دونوں نے ان تینوں نامور جرنیلوں کے ساتھ وہ انصاف نہیں کیا جس کے وہ مستحق تھے ۔ خلافت میں تبدیلی کے بعد نوجوان فاتح محمد بن قاسم جو اپنی فتوحات ابھی تک پوری نہیں کرپایا تھا اور ملتان تک ہی پہنچا تھا کہ واپس بلالیا گیا اور حجاج بن یوسف کا بھتیجا ہونے کی جرم کی پاداش میں اس صالح نوجوان کو اذیتیں دیکر سزائے موت دیدی گئی ۔ فاتح اندلس موسیٰ بن نصیر کے ساتھ واپسی پر اس سے بھی زیادہ اندوہناک سلوک کیا گیا ۔ اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے بستر مرگ پر پڑے ہوئے خلیفہ ولید کی موت کے بعد دارالحکومت پہنچنے کی ان ہدایات پر عمل نہ کیا جو اسے سلیمان نے بھجوائی تھیں ۔ سلیمان چاہتا تھا کہ موسیٰ بن نصیر اس رفتار سے سفر کرے کہ اندلس کی بےکراں دولت اسکی تخت نشینی کے بعد دمشق پہنچے ۔ قتیبہ بن مسلم جو خراسان کا والی تھا ۔ خلافت میں تبدیلی کے فوراً بعد اس کے ماتحت ایک قبیلے بنو تمیم میں ایک سردار مقرر کردیا گیا ، جس نے والی خلافت بغاوت کردی ۔ قتیبہ اس معرکے میں مارا گیا اور اس کا سر قلم کرکے خلیفہ کو بھیج دیا گیا ۔ قتیبہ بن مسلم جس کا پورا نام قتیبہ بن مسلم ابوحفص الباہلی ہے ۔ سن ۴۹ ھجری (مطابق ۶۷۰ء) میں عربوں کے قبیلے الباہلی میں پیدا ہوا ۔ قتیبہ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں اسلامی تاریخ کچھ زیادہ مستند تفصیلات فراہم نہیں کرتی ۔ سوائے اس کے کہ جوانی میں قتیبہ عبدالرحمن بن محمد بن الاشعب کے خلاف لڑائی میں حجاج کی نظر میں آیا ۔ جس نے اس کی عسکری اور

انتظامی صلاحیتوں کو بھانپ لیا تھا ۔ حجاج بن یوسف اس زمانے میں مشرقی صوبوں کا گورنر تھا اور چاہتا تھا کہ ترکستان میں باغیوں کی روزروز کی بغاوتوں کا خاتمہ کرکے ان علاقوں کو مستقل طور پر مملکت اسلامیہ میں شامل کردیا جائے ۔ اسکی خواہش تھی کہ اگر یزید بن مہلب (جو سلیمان کے بہت قریب تھا) کو ہٹاکر قتیبہ بن مسلم کو خراسان کی ولایت دے دی جائی تو چھوٹی چھوٹی بادشاہتوں کا قلع قمع جلد ہوسکے گا ۔ خلیفہ ولید نے حجاج کے مشورے سے قتیبہ کو خراسان کا والی مقرر کرکے یہ کام سونپا کہ وہ تمام علاقے اور چھوٹی ریاستیں جنہوں نے ابھی تک مکمل طور پر خلافت اسلامیہ کا تسلط قبول نہیں کیا تھا اور سرکوبی کی ہر مہم کے تھوڑے عرصے بعد بغاوت کا علم بلند کردیتی تھیں کو فتح کرکے مملکت اسلامی کے زیرنگیں لے آئے ۔ تاکہ ان یورشوں کا یکبارگی خاتمہ ہوسکے ۔

قتیبہ بن مسلم سن ۸۵ھ (۷۰۴ء) میں خراسان کا والی مقرر ہوکر مرو آیا تو اس کے سامنے اپنے فن سپہ گری کی قدرتی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے وسیع مواقع موجود تھے ۔ مختصر عرصے میں قتیبہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور سلطنت بنوامیہ کو اس قدر علاقے فتح کرکے دیئے کہ اس کا شمار امویوں کے عظیم ترین فاتح جرنیلوں میں ہونے لگا ۔ اپنے تقرر کے فوراً بعد قتیبہ نے ۸۶ھ میں پہلے ترکستان پر لشکر کشی کی مگر صفائیان پر حملے سے پہلے وہاں کے حاکم نے اطاعت قبول کرلی اور کثیر رقم اور تحفے تائف دے کر اپنے ہاں مہمان ٹھہرایا ۔ صغانیان کے بعد قتیبہ نے طخارستان کا رخ کیا ۔شومان اور کفیان کے حکمرانوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ صغانیان کے حاکم کی تقلید میں بغیر لڑے اطاعت قبول کرلیں ۔ ان فتوحات کے بعد قتیبہ اپنے بھائی صالح کو مفتوحہ علاقوں کا نگران مقرر کرکے واپس مرو آگیا ۔

۸۷ھ میں قتیبہ بخارا کی طرف متوجہ ہوا ۔ بادغیس کے حکمران نیزک نے کچھ مسلمانوں کو قید کررکھا تھا ۔ نیزک نے قتیبہ کا خط ملتے ہی قیدیوں کو چھوڑ دیا اور اس کے بعد ترکستان کے کچھ معرکوں میں قتیبہ کا مددگار رہا ۔ قتیبہ نے دریائے جیحون عبور کرکے بیکند کی طرف پیش قدمی کی مگر بیکند کے لوگوں نے پیشگی خبر پاکر آس پاس کی ریاستوں سے مدد طلب کی ۔ ان ریاستوں کی افواج نے آگے بڑھ کر قتیبہ کے سارے راستے روک لئے اور وہ تقریباً دو مہینے تک دشمن کی فوجوں کے نرغے میں رہا مگر آخرکار ان کو شکست دے کر بیکند کے شہر میں قلعہ بند ہونے پر مجبور کردیا ۔ محصورین شہر کچھ عرصہ بعد صلح کے طالب ہوئے ۔ صلح کی شرائط طے کرکے قتیبہ بیکند میں ایک مسلمان حاکم تعینات کرکے واپس مرو لوٹ گیا ۔ مگر وہ تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ شہروالوں نے بغاوت کرکے حاکم اور اس کے عملے کو قتل کردیا ۔ یہ خبر ملتے ہی قتیبہ راستے سے واپس لوٹ آیا اور شہر کو دوبارہ فتح کرکے باغیوں کو تہہ تیغ کردیا ۔ اس معرکے میں بے حساب دولت

مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ سن ۸۸ ہجری میں قتیبہ بخارا پر پھر حملہ آور ہوا حملے کے دوران دو اور شہر نومشکت اور رامینہ فتح کرلئے۔ ۸۹ھ میں محدود جنگیں ہوتی رہیں۔ مگر عموماً بے نتیجہ رہیں۔ ۹۰ھ میں قتیبہ بخارا پر تیسری بار حملہ آور ہوا۔ اس بار بخارا والوں نے سخت مزاحمت کی بخارا کے بادشاہ نے ترکوں اور سغدوں سے امداد طلب کی لیکن مدد پہنچنے سے پہلے قتیبہ شہر کا محاصرہ کرچکا تھا۔ ترکوں اور سغدوں کی امداد کی امید کی وجہ سے اہل بخارا کے حوصلے اس قدر بلند تھے کہ وہ شہر سے باہر نکلے اور شہر کے قریب ہی نہر عبور کرکے مسلمانوں پر حملہ آور ہوگئے اور پہلے حملے میں اسلامی لشکر کو دھکیلتے ہوئے پیچھے لے گئے۔ اسی اثناء میں اسلامی لشکر کا ایک دستہ بخارا پر نئے انداز سے حملہ آور ہوا اور نعرہ تکبیر کی صداؤں میں دشمن کے قلب پر اس زور شور سے حملہ کیا کہ ترک اور سغدوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ترک اور سغد دونوں نہایت بہادری اور بے جگری سے لڑے۔ مگر شکست کھائی۔ بخارا پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا۔ بادغیس کا حکمران نیزک جس نے کبھی بنی تمیم کے مسلمانوں کو قیدی بنالیا تھا اور مسلمانوں کو آزاد کرکے صلح کا طالب ہوا تھا۔ قتیبہ کا معاون اور مددگار بن گیا۔ اس دوران مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور مسلسل فتوحات کے باعث وہ اپنے دل میں قتیبہ کی طرف سے خوفزدہ رہنے لگا تھا۔ ایک روز قتیبہ سے اجازت لےکر وہ طخارستان چلا گیا اور وہاں اس نے بلخ، مروالزود، طالقان، فاریاب، جوزجان وغیرہ کے حاکموں کو ساتھ ملاکر بغاوت کا علم بلند کردیا۔ اس وقت موسم سرما شروع ہونے والا تھا۔ قتیبہ نے اپنے بھائی عبدالرحمن کو بلخ پر قبضہ کرنے کیلئے طخارستان بھیجا اور خود دوسرے باغی فرمان رواؤں کی طرف بڑھا اور ایک خونریز معرکے کے بعد طالقان فتح کرلیا۔ اس کے بعد قتیبہ فاریاب کی طرف متوجہ ہوا۔ ہجری سن ۹۱ شروع ہوچکا تھا اور فاریاب کے بعد جوزجان اور چھوٹی چھوٹی دوسری ریاستیں یکے بعد دیگرے قتیبہ کے آگے سرانداز ہوتی رہیں۔ اور قتیبہ وہاں اپنا تسلط قائم کرکے آگے بڑھتا رہا۔ نیزک بھاگ کر فرغانہ پہنچ گیا اور قلعہ الکزر میں حصار بند ہوگیا۔ قتیبہ نے دو ماہ تک محاصرہ کرنے کے بعد اسے گرفتار کرکے اس کے ساتھیوں سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسی سال قتیبہ نے شومان فتح کیا جس کے فرمان روا نے مسلمانوں کو نکال دیا تھا اور طاقت کے گھمنڈ میں دو میں سے ایک قاصد کو قتل کردیا تھا جو قتیبہ نے بغاوت سے باز آنے کا پیغام دے کر بھیجے تھے۔ شومان کے بعد قتیبہ نے کش اور نسف فتح کئے جہاں کے باشندوں نے شومان کے باغیوں کی مدد کی تھی۔

۹۳ھ میں خوارزم نے اپنے بھائی خرزاد کے ہاتھوں مجبور ہوکر ازخود قتیبہ کی مدد چاہی جو اپنے کمزور بھائی خوارزم شاہ کو بے بس کرکے امور سلطنت پر قابض ہوگیا تھا۔ رعایا اس کے مظالم سے تنگ تھی۔ قتیبہ نے فوج کشی کرکے خرزاد کو قتل کردیا اور سلطنت خوارزم کے حوالے کردی۔ جس نے حسب وعدہ اطاعت قبول کرکے بہت سا مال ودولت بطور نذرانہ قتیبہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اسی سال قتیبہ سمرقند کو

بھی فتح کرنے نکلا کیونکہ سمرقندوالوں نے ترکستان کی جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد کی تھی۔ اہل سمرقند جو سغدی تھے قتیبہ کے حملے کی تاب نہ لاکر شہر کے اندر قلعہ بند ہوگئے۔ قتیبہ نے ایک ماہ تک محاصرہ جاری رکھا۔ سغدیوں نے تنگ آکر شاش اور فرغانہ کے حکمرانوں کے پاس پیغامات بھجوائے کہ ہماری حفاظت کو اپنی حفاظت سمجھ کر مدد کرو ورنہ کل یہ دن تمھیں بھی دیکھنا پڑے گا۔ قتیبہ کی فتوحات کو ترکستان کے تمام فرمان روا خوف وخطر کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ اس لئے تمام حکمران سغدیوں کی مدد کیلئے تیار ہوگئے۔ ان حکمرانوں نے باہم مشورہ کیا اور آخر سب نے مل کر ایک زبردست لشکر تیار کیا اور اسے خاقان چین کے بیٹے کی سرکردگی میں قتیبہ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کیا۔ قتیبہ کو اس کی خبر ہوگئی تھی اور اس نے اپنے بھائی صالح کو چند سو منتخب جان نثاروں کے ساتھ اس فوج کا دستہ روکنے کیلئے بھیجا۔ صالح نے اپنے لشکر سے خنیس اور نصر کی کمان میں دو دستے شاہراہ کے دائیں بائیں کمین گاہوں میں چھپادیئے تھے۔ رات گئے جیسے ہی دشمن کی فوج ادھر پہنچی صالح نے اس پر حملہ کرکے اسے روک دیا۔ اتنے میں خنیس، خنیس اور نصر کے دستے کمین گاہوں سے نکل کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ خاقان چین کے بیٹے نے بڑی جرات اور بہادری سے مقابلہ کیا لیکن آخر کار شکست کھائی۔ اس جنگ میں دشمن نے بھاری نقصان اٹھایا اور بہت سا قیمتی اسلحہ اور سازوسامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس شکست کی خبرسغدیوں کو پہنچی تو ان کی ہمتیں اور زیادہ پست ہوگئیں۔ اب ان کیلئے کوئی سہارا باقی نہ رہا تھا۔ قتیبہ نے محاصرہ اور زیادہ سخت کردیا۔ تاہم اہل سمرقند نے پھر بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ لیکن ان کے لئے مصالحت کے سوا کوئی دوسرا راستہ باقی نہیں رہ گیا تھا اہل سمرقند نے ہتھیار ڈال دیئے اور قتیبہ کی حسب ذیل شرائط پر صلح منظور کرلی:۔ (ا) اہل سمرقند ۱۲ لاکھ خراج دیا کریں گے۔ (ب) اس سال تیس ہزار سوار دیں گے۔ (ج) مسلمان شہر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوں گے اور ان کے داخلے کے وقت مسلح نفری ہٹالی جائے گی۔ (د) مسلمان سمرقند میں مسجد بناکر نماز پڑھیں گے اور خطبہ دیں گے۔ ان شرائط کے مطابق مسلمانوں نے شہر میں داخل ہوکر مسجد تعمیر کی اور خطبہ دیا جس میں اعلان کیا گیا کہ فاتح افواج صلح کی رقم کے علاوہ کسی اور چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گی۔ اہل سمرقند بت پرست تھے۔ قتیبہ نے ان کے بتوں کو آگ لگادی۔ بہت سے سغدی قتیبہ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ شاش اور فرغانہ کے فرمان رواؤں نے اہل سمرقند کی مدد کی تھی۔ ۹۴ھ میں قتیبہ نے ان کے خلااف لشکر کشی کی قتیبہ نے اہل خوارزم کش اور نسف کی فوج پر مشتمل لشکر بھیج کر شاش پر قبضہ کیا اور خود فرغانہ کے دارالسلطنت کاشان کو فتح کرتے ہوئے چین کی سرحدوں تک آن پہنچا۔ اس فتح کے تھوڑے ہی عرصے بعد قتیبہ کو حجاج کے مرنے کی خبر ملی اور وہ مرو لوٹ آیا۔ حجاج کی موت نے قتیبہ کو پریشان اور فکر مند کردیا تھا۔ کیونکہ حجاج بن یوسف اس کا مربی اور ہمدرد

تھا اور ہر مشکل میں وہ اپنے جرنیلوں کے کام آتا تھا۔ قتیبہ کی یہ پریشانی خلیفہ ولید کے خط نے دور کردی۔ خلیفہ نے لکھا تھا:

"امیرالمؤمنین تمھاری محنت، اسلام کی خدمت اور دشمنوں کے مقابلے میں تمھاری جرات وشجاعت سے واقف ہیں۔ وہ تمھیں ایسا مرتبہ عطا کریں گے جو تمھاری شان کے مطابق ہوگا۔ اب جنگوں کو پورا کرو اور رحمت خداوندی کے متوقع رہو"۔ حجاج کی موت نے جہاں قتیبہ کو پریشان کردیا تھا وہاں اس خط نے قتیبہ کو ذہنی طور پر بحال کردیا۔ ۹۶ھ میں قتیبہ نے بڑے اہتمام کے ساتھ چین پر فوج کشی کی تیاریاں شروع کردیں۔ اس نے حفاظت کے خیال سے مجاہدین کے اہل وعیال کو سمرقند منتقل کردیا اور فرغانہ سے ہوتا ہوا کاشغر فتح کیا اور پھر وہاں سے چین کی سرحدوں کے اندر تک بڑھتا چلا گیا۔ خاقان چین مسلمانوں کی فتوحات سے باخبر تھا۔ اس نے قتیبہ کو کہلا بھیجا کہ اپنا ایک وفد میرے پاس بھیجواؤ تاکہ ان سے گفتگو کرکے تمھارے مقاصد کا علم ہوسکے۔ قتیبہ نے ہبیرہ بن شرح کے ساتھ دس فصیح اللسان دانش مندوں کو روانہ کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ خاقان چین کو بتلادیں "کہ میں (قتیبہ) نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمھاری زمین کو اپنے پیروں تلے پامال کرکے خراج وصول نہ کرلوں واپس نہیں جاؤں گا" خاقان چین سے ملاقاتوں کے دوران جب اسکی دھمکیاں ہبیرہ اور اس کے وفد پر اثرانداز نہ ہوئیں تو اس نے ترکستان کی ریاستوں کے حشر کی مثال سامنے رکھتے ہوئے اسلامی لشکر سے خواہ مخواہ الجھنے کا راستہ ترک کرکے اطاعت قبول کرنے پر راضی ہوگیا اور جزیہ اور بہت سے قیمتی تحائف دے کر وفد کو قتیبہ کے پاس واپس بھیجوا دیا۔ قتیبہ کا مقصد چین کو فتح کرنا نہیں بلکہ خاقان چین کے خطرہ کی پیش بندی کرنا تھا۔ اس لئے قتیبہ نے خاقان کے مصالحانہ رویہ پر جزیہ قبول کرکے فوج کشی کا ارادہ ترک کردیا اور واپس لوٹ آیا اس مہم کے کچھ عرصہ بعد ۱۷ جولائی ۷۱۴ء بمطابق جمادی الثانی ۹۶ھ ولید بن عبدالملک وفات پاگیا۔ اس کی جگہ سلیمان بن عبدالملک جو اس کا چھوٹا بھائی تھا تخت نشین ہوا۔ ولید نے ایک بار اپنے بھائی سلیمان کی بجائے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد مقرر کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس معاملہ میں حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم نے خلیفہ کی حمایت کی تھی۔ اس لئے سلیمان ان دونوں ہی کے سخت خلاف تھا۔ سلیمان میں دوسری خوبیوں کے علاوہ انتقام کا جذبہ بہت زیادہ تھا چنانچہ جن لوگوں سے ولی عہدی کے زمانہ میں اس کو کسی قسم کی شکایت تھی۔ ان کا انجام اچھا نہ ہوا۔ ان میں بڑے بڑے فاتحین جن میں موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم اور قتیبہ بن مسلم جیسے لوگ شامل تھے۔ بےدردی سے قتل کردیئے گئے۔ سلیمان بن عبدالملک نے خلیفہ بننے کے ساتھ ہی حجاج کے زمانہ کے حکام کی داروگیر شروع کی تو قتیبہ کو اس کی جانب سے خوف پیدا ہوگیا۔ چنانچہ اس نے پہلے سلیمان کو کئی خط لکھے جس میں اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور اپنی فتوحات اور خدشات

کی تفصیل لکھ کر آخر میں دھمکی دی کہ اگر خلیفہ نے قتیبہ کو معزول کر کے یزید بن مہلب کو خراسان کا والی مقرر کیا تو وہ بغاوت کردے گا۔ یزید بن مہلب خلیفہ کے جتنا قریب تھا وہ قتیبہ کو انتہائی ناپسند تھا۔ کچھ تو ان دنوں قتیبہ کو معزول کرنے کی افواہیں زوروں پر تھیں اور کچھ قتیبہ کو خلیفہ سے بدگمانی اس قدر زیادہ تھی اور اسے یقین ہوگیا تھا کہ سلیمان اس کی ولید سے وفاداری کی سزا اسے کسی وقت دے کر اس کے خون سے ہاتھ رنگ سکتا ہے۔ قتیبہ نے بیعت فسخ کر کے بغاوت کا علم بلند کردیا۔ قبیلہ بنو تمیم اپنے سردار وکیع کی سربراہی میں خلیفہ کی طرف سے قتیبہ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور ہزاروں عجمیوں کو ساتھ ملاکر قتیبہ کے مقابلے میں آگیا۔ یہ واقعہ ذوالحجہ ۹۶ھ کا ہے۔ دونوں میں سخت خونریز جنگ ہوئی اور قتیبہ اپنے بھائیوں اور بیٹوں سمیت مارا گیا۔ قتیبہ کا سر قلم کر کے سلیمان کے پاس بھجوا دیا گیا۔ قتیبہ کے قتل کے بعد سلیمان نے جیسے کہ متوقع تھا یزید بن مہلب کو خراسان کا والی مقرر کردیا۔ قتیبہ بن مسلم اپنے انجام سے قطع نظر ایک ایسا عظیم فاتح ایک ایسا زیرک سپہ سالار تھا جس کے ہاتھوں سلطنت اسلامیہ کی سرحدیں چین تک وسعت پذیر ہوئیں۔ ترکستان میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ بے جگری سے لڑنے والے بہادر اور غیور ترکوں نے مشرف بہ اسلام ہوکر آنے والے وقتوں میں اسلام کے لئے علم وآگہی کے وہ سرچشمے جاری کئے جن کا فیض آج تک جاری ہے۔ بلخ بخارا، سمرقند، تاشقند، کاشغر، صغانیان، شومان اور خوارزم کے علاوہ بے شمار چھوٹے چھوٹے جنگجو قبائل پر مشتمل ریاستوں کو مسلمان بنانے اور خلافت اسلامیہ کا مطیع بنانے والا قتیبہ بن مسلم تھا۔ خاقان چین جس کے غرور کی کوئی حد نہ تھی قتیبہ کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوا۔ قتیبہ بن مسلم کی فتوحات صرف لشکر کشی اور جدال وقتال کی کہانیاں نہیں۔ اسکی زیادہ تر کامیابیاں اسکی انتظامی صلاحیت اس کی سیاسی بصیرت اور اسکے فہم وفراست کی منہ بولتی مثالیں ہیں۔ اس نے طاقت صرف وہاں استعمال کی جہاں اسکی اشد ضرورت تھی یا جہاں اطاعت قبول کروانے کا دوسرا کوئی راستہ نکلتا نظر نہ آیا۔ قتیبہ نے بلاوجہ طاقت کے استعمال سے حتی الوسع گریز کیا۔ قتیبہ کے قتل پر ایک خراسانی نے اپنے ایک عرب دوست سے کہا تھا " تم لوگوں نے قتیبہ بن مسلم کی یہ عزت کی ہے کہ اسے قتل کردیا۔ اگر یہ شخص ہمارے ملک میں ہوتا تو ہم اسے تابوت میں محفوظ کرلیتے اور اسکی برکت سے لڑائیوں میں فتح پاتے "

(اس مضمون کی ترتیب وتدوین میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا)

(۱)۔ تاریخ اسلام عہد بنو امیہ شاہ معین احمد ندوی (۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ (۳) الیعقوبی ص: ۳۲۰، ۳۴۲، ۳۴۶، ۳۵۴ اور بعد مبطوعہ HOUTSMA (۴). البلاذری صفحہ: ۴۱۹ تا ۴۲۶ مطبوعہ DEGOEJE

(۵). المسعودی مروج صفحہ: ۳۲۰ تا ۳۲۳ مطبوعہ PARIS

جناب محمد یونس میو صاحب ڈسکہ

تحقیق میں اشاریہ سازی کی اہمیّت

تحقیق میں اشاریہ سازی کی اہمیت بیان کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اشاریہ کیا ہوتا ہے ؟ کیسے تیار کیا جاتا ہے اور اس کا مقصد کیا ہوتا ہے ؟ ۔ اردو انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے :

" حروف تہجی کے اعتبار سے کسی کتاب کے مواد کی ایسی تفصیلی فہرست جس کے ذریعے کسی مضمون اور اس کی جزئیات کا بھی حوالہ مل سکے ۔ اگر کوئی مضمون ، موضوع یا نام ایک سے زیادہ مقامات پر آئے تو تمام متعلقہ صفحات کے ہر ایک ہی عنوان کے تحت دیے جاتے ہیں ۔ اس طریقے سے کسی ضخیم کتاب خصوصاً کتب حوالہ جاتی میں کسی حوالے کا تلاش کرنا آسان ہوجاتا ہے ۔ فہرست میں کتاب کے عنوانات درج کیے جاتے ہیں اس لئے یہ اشاریہ سے مختلف چیز ہے " (۱) ۔

فیروزاللغات میں اشاریہ کے درج ذیل معانی ملتے ہیں : " کسی کتاب کے مضامین کی تفصیلی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے کتاب میں کوئی مضمون ، موضوع یا نام ایک سے زیادہ مقام پر آئے تو تمام متعلقہ صفحات کے نمبر ایک ہی عنوان کے تحت دیئے جاتے ہیں ۔ (۲) ۔ حواشی ، تعلیقات اور کتابیات کی طرح اشاریہ بھی تحقیقی لوازمات میں شمار ہوتا ہے ۔ یہ ایک تکنیکی عمل ہے جس میں کتاب میں موجود تمام معلومات قاری کو مکمل طور پر فراہم کی جاتی ہیں ۔ یوں تو اشاریہ عام قارئین کیلئے بھی کام کی چیز ہے لیکن اس کا فوری فائدہ محقق حضرات ہی کو ہوتا ہے ۔ انہیں ایک ہی نظر میں پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کتاب ان کیلئے کس قدر وہ اپنے مضمون یا موضوع سے متعلق فوراً اپنے مطلب کی چیز تلاش کرلیتا ہے ۔ فہرست مضامین سے بھی کسی حد تک یہ کام لیا جاسکتا ہے ۔ لیکن اشاریہ ہمیں موضوع کے بارے میں پوری اور تفصیلی معلومات فراہم کرتا ہے اور صفحات کی نشاندہی بھی کرتا ہے ۔ مثلاً یہ کہ کوئی نام ، مقام ، کتاب ، رسالہ ، آیت ، حدیث یا قول وغیرہ کا ذکر متعلقہ کتاب کے کس کس صفحہ پر آیا ہے اور کتنی بار آیا ہے ۔ اس طرح حوالہ تلاش کرنے والا پوری کتاب کی ورق گردانی سے بچ جاتا ہے ۔ جناب عبدالرزاق قریشی اشاریہ کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہیں ۔

" اشاریہ کا مقصد اشخاص ، مقامات وغیرہ کے نام گنانا نہیں ہے بلکہ ان سے متعلق کتاب میں کوئی اطلاع یا اطلاعات بہم پہنچائی گئی ہوں " (۳) ۔ اشاریہ کی مستقل اور ٹھوس قسم نہیں ہوتی بلکہ یہ کتاب کی ضخامت اور موضوعات پر منحصر ہوتا ہے ۔ اگر کوئی کتاب ضخیم ہے اور اس میں معلومات کا ذخیرہ بہت زیادہ ہے تو

اس پر کئی قسم کے اشاریے تیار کیے جاسکتے ہیں، مثلاً " بیس بڑے مسلمان " جناب عبدالرشید ارشد کی ترتیب ہے۔ یہ کتاب ۱۰۲۰ صفحات (۴) پر مشتمل ہے۔ اکابرین علماء دیوبند کی مستند تاریخوں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ جماعت اپنے فکر وفن اور مقاصد کے اعتبار سے مربوط ترین جماعت ہے۔ کسی ایک بزرگ کے حالات کو کتاب کے خاص مقالہ تک محدود نہیں کیا جاسکتا مثلاً مہاجر مکیؒ اور حضرت قاسم نانوتویؒ کا تذکرہ کتاب بھر میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ کتاب تحقیقی ماخذ میں شمار ہوتی ہے۔ متعدد حضرات کے افکار کا نچوڑ ہے۔ لہذا متعدد نوعیت کے بھرپور اشاریے مرتب ہوسکتے ہیں۔ مثلاً شخصیات، کتب، رسائل وجرائد، عربی اردو اشعار، ممالک، شہر، مقامات، تحاریک، ادارے، یونیورسٹیاں، دارالعلوم، مدارس، قرآنی آیات، احادیث کے علاوہ افکار ونظریات کے اشاریہ جات کی گنجائش اس کتاب میں پائی جاتی ہے۔

پروفیسر محمد منور، اقبالیات کے معروف علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ متعدد تصانیف اقبال اکادمی پاکستان لاہور سے شائع ہوچکیں ہیں " برھان اقبال" اور ایقان اقبال" بھی آپ کی معروف کتب ہیں۔ ہر دور کے آخر میں مفصل اشاریے ملتے ہیں۔ غرض ہر مصنف کتاب کے مضامین اور تفصیلات کے مطابق اشاریہ سازی کرتا ہے۔ عبدالرزاق قریشی رقمطراز ہیں: " اشاریہ کا انحصار دراصل موضوع یا مضمون کتاب پر ہے مثلاً کتاب باغبانی کے موضوع پر ہے ظاہر ہے کہ اس میں پودوں اور پھولوں کا ذکر کثرت سے ہوگا۔ اس لئے انکا اشاریہ بنایا ہوگا۔ کتاب میں پودوں کا ذکر کثرت سے ہوا ہے تو ان کا بھی اشاریہ بنایا جائے۔ تاریخ کی کتاب میں اہم واقعات کا بھی اشاریہ ہوگا۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ اشاریہ کتاب کے متن کے مطابق ہونا چاہئیے۔ جن جن چیزوں کا ذکر زیادہ ہوا ہے ان کا اشاریہ بنایا جائے " (۵)۔

جدید تحقیق میں اشاریہ سازی کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس مصروف ترین دور میں جب ہر شخص عدم فرصتی کی شکایت کرتا ہے تو اسکی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ نئے محققین کیلئے یہ اور بھی زیادہ مفید ہوسکتی ہے۔ وہ اس کی مدد سے مطلوبہ مواد تک بہ آسانی پہنچ سکتے ہیں۔ اسی سہولت کے پیش نظر اب یہ طریق ہماری تفاسیر میں بھی رواج پارہا ہے۔ اسکی ایک سادہ سی صورت تفہیم القرآن کی ہر جلد کے آخر میں مل سکتی ہے مثلاً جلداول کے آخر میں فہرست موضوعات کے ذیل میں "الف" کے تحت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تمام آیات، واقعات اور معلومات کے صفحات کے نمبر ملتے ہیں (۶)۔ ہر جلد کے آخر میں یہی صورت ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اسی فہرست کو معروف محقق ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے منظم اور جدید اشاریہ میں بدل دیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے ایک دوسرے استاد ڈاکٹر حافظ محمد اختر صاحب نے مفتی محمد شفیعؒ کی تفسیر معارف القرآن کا اشاریہ مرتب کردیا ہے۔ خود قرآن کے مضامین کا اشاریہ جات بھی مرتب

ہورہے ہیں ۔ ڈاکٹر عبدالرشید ارشد نے صحیفہ حیات کے نام سے ایک مختصر کتاب (۷) ترتیب دی ہے اس سلسلہ کی دو عمدہ اور مفصل کوششیں ۱۹۹۶ء میں منظرعام پر آئیں ۔ " اشاریہ مضامین قرآن " (۸) کے نام سے شمس العلماء مولانا سید ممتاز علی نے مرتب کیاہے ۔ دوسرے قدرے اور جدید کاوش " منشور قرآن " " QURANIC PRISM " ہے جس کو عبدالحکیم ملک نے تالیف کیا ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ آیات کے ساتھ اردو ترجمہ کے علاوہ انگریزی ترجمہ بھی دیا گیا ہے ۔ قرآن اور تفاسیر قرآن کے ایسے اشاریے تحقیق میں ایک نئے رجحان کا پیش خیمہ ہیں ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی مدارس سے منسوب علماء اور سکالرز بھی اپنی تحقیقات کے آخر میں کتابیات اور اشاریوں کا التزام فرمائیں ۔ اس کے علاوہ ان حضرات کیلئے ایک اور میدان بالکل خالی پڑا ہے کہ اکابرین کی تصانیف جو تیزی سے نایاب ہورہی ہیں ان کے اشاریے اور جدید ترتیب عنوانات ، حواشی وتعلیقات کی طرف توجہ دی جائے ۔ مثلاً حکیم الامتؒ کی تصانیف جن کی تعداد ایک ہزار سے (۱۰) ہے ان کا مفصل اور آسان اشاریہ تیار کیا جاتا ہے ۔ ایک اہم کام اس ضمن میں دینی رسائل وجرائد کے اشاریے مرتب کرنا ہے ۔ بلاشبہ کچھ رسائل سال کے آخری شماروں میں مضامین کی فہرست دیتے ہیں لیکن ان کو بہت زیادہ جدید اور مفید بنانے کی ضرورت ہے ۔ نیز ان تمام جلدوں کے اشارے یکجا کیے جانے چاہیں ۔ اس امر میں اقبالیات کے ماہرین ایک قدم آگے جاچکے ہیں ۔ بزم اقبال لاہور نے اپنے رسالہ " اقبال " (۱۱) کا اشاریہ (۱۲) ترتیب ہے ۔ ایک ہی نظر میں جریدے کی تاریخ ملاحظہ کی جاسکتی ہے ۔ امید کی جاتی ہے کہ ہمارے دارالعلوم اس طرف بھی کچھ نہ کچھ پیش قدمی ضرور کریں گے اور تحقیق کے شعبہ میں بھی اپنی انفرادیت قائم کریں گے ۔ (انشاء اللہ)

حواشی

(۱) اردو انسائیکلوپیڈیا ، فیروز سنز ، لاہور ، تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۴ء ص ۸۵ (۲) فیروزالدین ، مولوی ، فیروز اللغات (اردو جامع) فیروز سنز ، لاہور ، سن ندارد ، ص : ۹۶ (۳) ایم سلطانہ بخش ، اردو میں اصول تحقیق ، مقتدرہ قومی زبان ، اسلام آباد ، طبع دوم ۱۹۸۹ء ، جلداول ص ۲۸۱ (۴) شائع کردہ مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۴ء ۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۶۹ء میں لاہور میں شائع ہوئی ۔ اسی سلسلہ کی دوسری اہم کڑی ۔ " بیس مردان حق " (۲ جلدیں ۲۰۷۵ صفحات) جناب ارشد ہی کے ہاتوں مرتب ہوچکی ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ موصوف اپنی ذات میں ایک ادارہ کی حیثیت رکھتے ہیں ۲۶ سال سے " الرشید " نکال رہے ہیں ۔ لاہور کا اچھا جریدہ ہے اپنے " نمبروں " کی وجہ سے ھندوپاک میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے ۔ (۵) ایم سلطانہ بخش ، ڈاکٹر ، اردو میں اصول تحقیق ، مقتدرہ قومی زبان ، اسلام آباد ، طبع دوم ، ۱۹۸۹ء جلد اول ، ص ۲۸۲ (۶) ملاحظہ فرمائیے سیدابوالاعلی موودودی کی تفسیر القرآن ، ادارہ ترجمان القرآن ، لاہور

اشاعت پنجم، ۱۹۸۵ء، ص ۶۰۹ (۷) یہ کتاب کاروان ادب، ملتان سے ۱۹۸۶ء میں اول بار شائع ہوئی۔
(۸). شائع کردہ، الفیصل ناشران وتاجران، اردو بازار، لاہور (۹). شائع کردہ عامر پبلیکیشنز، مظفرگڑھ (۱۰) تاریخ دارالعلوم دیوبند نمبر، اشاعت خصوصی ماہنامہ "الرشید" ساہیوال ۱۹۸۰ء، ص: ۱۷۳ نیز دیکھئے محمد علی چراغ کی مرتب کردہ کتاب "اکابرین تحریک پاکستان" سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۳۴۰ (۱۱) سہ ماہی پرچہ ہے۔
(۱۲) یہ اشاریہ "اخترالنساء" نے مرتب کیا ہے۔ بزم اقبال، لاہور نے فروری ۱۹۹۴ء میں شائع کیا ہے۔ اس میں چار اشاریے ہیں۔ شمارہ وار اشاریہ، مصنف وار اشاریہ، موضوع وار اشاریہ اور کتب کا اشاریہ۔

بقیہ صفحہ ۔۔۔ یروشلم میں توسیع کا اسرائیلی منصوبہ

ادارہ عرب لیگ یا کوئی دوسرا ادارہ اسرائیل کو اس کے جارحانہ عزائم سے روک نہیں سکے گا اور حالات زیادہ خراب ہوجائیں گے۔ اسرائیل آہستہ آہستہ سے عربوں کے خلاف جارحانہ اقدامات کرکے ان کے علاقوں پر قبضہ کرتا چلا آرہا ہے بعض عسکری امور کے ماہرین کے مطابق اسرائیل کا یہ منصوبہ دراصل عربوں بالخصوص شام اور لبنان کے خلاف اسرائیل کی کسی نئی جارحیت کا پیش خیمہ ہوگا۔ وہ لبنان سے مجاہد تحریکوں اور حزب اللہ کا وجود ختم کرنا چاہتا ہے اور شام کے خلاف گولان کی پہاڑیوں کا تنازعہ اس طرح طے کرنا چاہتا ہے کہ شام یہاں سے اسرائیلی فوجیوں کی واپسی کے مطالبے سے دستبردار ہوجائے۔ عالم اسلام کو اس سارے قضیئے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیے کہ اسرائیل کو اس کے جارحانہ عزائم میں امریکہ کی بھرپور سرپرستی حاصل ہے اور یہ کہ مغربی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف پوری طرح متحد ہیں اور پاکستان کے ایٹمی دھماکے نے نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کے خلاف سازشوں کے نئے محاذ کھول دیئے ہیں۔ یہ سازشیں اسرائیل، امریکہ، بھارت اور دوسرے مغربی ممالک کی سرپرستی اور تائید سے پھل پھول رہی ہیں۔ کوئی ایک مسلمان ملک ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا اس کےلیے مسلمانوں کی طرف سے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ مسلمان صرف متحد ہوکر ہی ان کا مقابلہ کرسکتے ہیں اس لئے ہر مسلمان ملک کا فرض ہے کہ وہ اپنے دفاعی استحکام کی طرف توجہ دے اسلامی کانفرنس کی تنظیم کو مسلمانوں کے افرادی اقتصادی اور مالی وسائل کو حل کرنے اور ریاست عالم اسلام کی ترقی اور فلاح کے لئے استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کرنی چاہئیے کیونکہ کفرملت اسلامیہ کے خلاف متحد ہوچکا ہے اور عالم اسلام بھی متحد ہو کر ہی اس کا مقابلہ کرسکتا ہے۔

جناب حافظ محمد طاہر محمود اشرفی صاحب

یروشلم میں توسیع کا اسرائیلی منصوبہ

نام نہاد آزاد فلسطینی ریاست جس کا حدود اربعہ ایک بلدیاتی ادارے کی حدود سے زیادہ نہیں اور اس کا اقتدار بھی ایک کارپوریشن کے چیئرمین کے عہدے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا مشرق وسطیٰ کے تنازعہ کو حل نہیں کرسکا البتہ یاسر عرفات کے طرز عمل اور لاکھوں فلسطینیوں کے موقف سے انحراف کے نتیجے میں جہاں پی ایل او کا کردار ختم ہوا اور فلسطینی عوام کی توقعات اور امیدیں اس سے ختم ہوکر رہ گئیں ہیں خود فلسطینی عوام کے اتحاد یک جہتی اور آزادی فلسطین کے لئے ان کی جدوجہد کو بھی زبردست نقصان پہنچا۔ حماس نے شیخ احمد یاسین کی قیادت میں اسرائیل کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کی اور حماس کے ارکان اس کیلئے قربانیاں بھی دے رہے ہیں۔ اسرائیل اور پی ایل او کے درمیان معاہدہ امن میں مصر اور امریکہ کے علاوہ اردن نے بنیادی کردار ادا کیا لیکن اسرائیل نے اس معاہدہ کیلئے جن شرائط کو تسلیم کیا ان کی کبھی پاسداری نہیں کی اور وہ ان شرائط کی مسلسل خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ ہدایت کررہا ہے کہ فلسطینی آج بھی اسرائیل کے غلام ہیں اور آزاد فلسطینی ریاست کا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اسرائیل جب چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے آزاد فلسطینی ریاست سے باہر نکال کرتا ہے، داخلہ بند کردیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گرفتار کرکے جیل میں ٹھونس دیتا ہے۔ آئے دن پرامن فلسطینی عوام پر گولیاں برسائی جاتی ہیں ان کے مکانات گرادیئے جاتے ہیں ان پر یہودی آبادکار قبضہ کرلیتے ہیں۔ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ میں مسلمانوں کا داخلہ بند کردیا جاتا ہے۔ انہیں مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ ہیکل سلیمانی کی تلاش کی آڑ میں مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے کی سازش کی جاتی ہے۔ دو تین مرتبہ مسجد اقصیٰ کو نذر آتش کرنے کی ناپاک جسارت بھی کی جاچکی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ دنیا میں انصاف کے علمبردار اور بڑی طاقتیں اس پر خاموش ہیں اگر کبھی اسرائیل کو اس سے منع کیا جاتا ہے تو وہ ہر احتجاج کو مسترد کردیتا ہے بلکہ وہ امریکہ تک کو آنکھیں دکھانے لگتا ہے۔ اسرائیل نے پی ایل اوُ سے معاہدہ کے تحت یہ شرط قبول کی تھی کہ وہ فلسطینی آبادی کے قریب کوئی یہودی بستی تعمیر نہیں کرے گا اور اسکی کسی آبادی کو محصور کرنے کی کوشش نہیں کرے گا لیکن اسرائیل نے اس شرط کو بھی مذاق بناکر نہ صرف فلسطینی آبادیوں کے قریب یہودی بستیاں تعمیر کیں بلکہ انہیں باقاعدہ محصور کردیا گیا تاکہ جب چاہئے انہیں بے بس کردے یہ کہ

ان کے مکانات پر قبضہ کرلے افسوسناک امر یہ ہے کہ امریکہ اور دوسری طاقتوں نے اسرائیل کو کبھی لگام دینے کی کوشش نہیں کی ۔ حال ہی میں اسرائیل نے یروشلم کی توسیع کا ایک منصوبہ بنایا ہے اس کے تحت وہ اس شہر کی حدود میں توسیع کرنا چاہتا ہے اس منصوبے کو بروئے کار لایا گیا تو نہ صرف اس شہر کا تقدس مجروح ہوگا بلکہ فلسطینی آبادیاں بھی اس توسیع میں شامل کرلی جائیں گے اس طرح ہزاروں فلسطینی ایک مرتبہ پھر بے گھر ہوکر رہ جائیں گے ، ان کے مکانات ان کی زمین اور ان کی املاک توسیعی منصوبے کی نذر ہوجائیں گے اس سے ایک کشیدگی پیدا ہوگی ۔ یہ توسیعی منصوبہ معاہدہ امن کی صریحاً خلاف ورزی کے زمرے میں آتا ہے لیکن امریکہ نے اس منصوبے سے اتفاق کرتے ہوئے فلسطینی عوام کے مطالبات کو مسترد کردیا ہے ۔ اس منصوبے سے مشرق وسطیٰ میں ایک نئے تصادم کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے ۔ چنانچہ سعودی عرب کے شاہ فہد نے بھی اسے مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے مقاصد کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے اسرائیل کی مذمت کی ہے اور امریکہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسرائیل کو اس سے باز رکھے اس طرح شام اور بعض دوسرے عرب ممالک کی طرف سے بھی اس کی مخالفت کی گئی ہے ۔ یاسرعرفات نے بھی اسے آئندہ جنگ کا پیش خیمہ قرار دیا ہے ۔ کیونکہ یہ فلسطینی ریاست اور فلسطینی عوام کے خلاف ایک زش ہے ۔ یہ مسلمانوں کے مقدس مقامات کو منہدم کرنے کا ایک مذموم منصوبہ ہے ۔ انتہا یہ ہے کہ مصر اور اردن کی طرف سے بھی اسرائیل کے اس منصوبے کی مذمت کی جارہی ہے لیکن مغربی طاقتیں اور دوسری عالمی برادری اس پر خاموش ہے ۔ ان حالات میں یہ ضروری ہے کہ نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیائے اسلام اسرائیل کے ان جارحانہ عزائم کے خلاف آواز بلند کرے اور اقوام متحدہ کے ذریعے اسرائیل کو مجبور کیا جائے کہ وہ یروشلم میں توسیع کے منصوبے کو رکوانے کی پوری کوشش کرے کیونکہ یہ صرف آزاد فلسطینی ریاست ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری عرب دنیا اور پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے ، قبلہ اول کا مسئلہ ہے اس لئے پوری اسلامی برادری کا یہ فرض ہے کہ وہ یہودیوں کو اس منصوبے سے باز رکھنے کے لئے کوئی مشترکہ قدم اٹھائے اور اقوام متحدہ کے علاوہ اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے پلیٹ فارم سے بھی اس کے خلاف آواز اٹھائی جانی چاہئیے ۔ اقوام متحدہ جیسا ادارہ اس معاملے میں بالکل ناکام رہا ہے وہ صرف بڑی طاقتوں کے مفادات کا تحفظ کرتا ہے ۔ چھوٹے اور کمزور ممالک کے مفادات کو نقصان پہنچا رہا ہے جس سے ادارے کی افادیت بھی ختم ہوکر رہ گئی ہے اور خدشہ یہ ہے کہ اس ادارے کا حشر بھی لیگ آف نیشنز جیسا ہی ہوگا اور دنیا کسی نئے المیے سے دوچار ہوجائے گی ۔ مصر اور عرب لیگ نے بھی اسرائیل کے اس منصوبے کے خلاف ایک ہنگامی اجلاس طلب کرلیا ہے ۔ عرب لیگ بھی عالم برادری پر زور دینا چاہتی ہے کہ وہ اسرائیل کو اس کی ہٹ دھرمی سے باز رکھے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بھی عالمی طاقت ، عالمی

(باقی صفحہ 53 پر)

جناب پروفیسر لطف الرحمن فاروقی صاحب

ظہور آدم سے ظہور اسلام تک عرب، جنوبی ایشیاء روابط میں تسلسل

مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ظہور اسلام تک جنوبی ایشیاء کے ساتھ عربوں کے تعلق میں ایک تسلسل قائم رہا ہے۔ یہ تعلق مذہبی، تجارتی، معاشی اور جنگی بھی تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "جزیرہ سراندیپ کے باشندوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کے باشندے حضرت آدمؑ کے زمانے سے کشتیوں کے ذریعے سے مکہ معظمہ اور عرب کے دوسرے شہروں میں جاتے تھے۔ ظہور اسلام سے پہلے ہندوستان کے برہمن خانہ کعبہ کی زیارت اور بتوں کی پوجا کےلئے مکہ معظمہ جایا کرتے تھے۔ اور کعبہ کو بہترین معبد سمجھتے تھے" (۱)۔ دراصل اسلام سے قبل برصغیر کے لوگوں اور عربوں میں بہت سی چیزیں مشترک تھیں۔ دونوں قومیں بت پرست تھیں۔ دونوں پتھر، لکڑی اور مٹی کے بت تراش کر پوجتے تھے۔ اور دونوں علاقوں کے رہنے والے توہمات کے شکار تھے۔ اس سلسلے میں کتاب الہند میں البیرونی ایک دلچسپ بات لکھتے ہیں: ۵۳ھ کی گرمیوں میں جب صقلیہ یعنی سیلی فتح ہوا تو وہاں جواہرات سے لدا ہوا ایک سونے کا بت ملا۔ چونکہ اس کو توڑ کر فروخت کرنے سے زیادہ قیمت نہیں مل سکتی تھی اس لئے اس کو اسکے قدر دان سندھ کے راجاؤں کے ہاتھ فروخت کرنے کیلئے جنوبی ایشیاء بھیج دیا گیا۔ (۲)۔

عہد رسالت میں عرب میں استعمال ہونے والے جنوبی ایشیاء کی اشیاء:- قدیم زمانے سے برصغیر جنوبی ایشیاء کے ساتھ عربوں کے تعلقات ومراسم کا دائرہ بہت وسیع تھا جس میں تجارت کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ چنانچہ یہاں کے مختلف علاقوں کی مندرجہ ذیل اشیاء عرب کے بازاروں میں فروخت ہوتی تھیں اور یہ چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ بھی عام استعمال میں لاتے تھے۔ (۱) ہندی تلوار (۲) ہندی نیزے (۳) مشک (۴) عود (۵) کافور (۶) زنجبیل (۷) قرنفل (۸) فلفل (مرچ) (۹) ساج (ساگوان) (۱۰) قسط (کٹھ) (۱۱) داز (تاڑی) (۱۲) سندھی مرغی (۱۳) سندھی کپڑے (۱۴) لنگی اور چادر (۱۵) کرتہ (۱۶) ناریل (۱۷) لونگ (۱۸) صندل (۱۹) بید (۲۰) بانس (۲۱) چاول (۲۲) گیہوں (۲۳) عطر (۲۴) سنل وغیرہ۔

عرب کی تجارتی منڈیاں:- عرب کی جن منڈیون میں برصغیر جنوبی ایشیاء کی مندرجہ بالا چیزیں فروخت ہوتی تھیں وہ اس دور کی مشہور منڈیاں تھیں، مثلاً ابلا، ظفار، صحار، عدن، جار، دومۃ الجندل، عکاظ یمن، صنعاء، عمدان، نجران اور مارب وغیرہ۔

ابلہ :- تجارتی اعتبار سے ابلہ عرب کا مشہور مرکزی مقام تھا ۔ یہاں جنوبی ایشیاء اور چین وغیرہ سے آنے والے جہازوں کی بندرگاہ تھی ۔ قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں کہ جب ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ابلہ فتح کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حسب ذیل الفاظ میں اس کی مرکزیت کے بارے میں لکھتے ہیں :- " اما بعد فان اللّٰه وله الحمد فتح علينا الابلة وهى مرقى سفن البحر من عمان ، والبحرين وفارس والهند والصين ۔" اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ابلہ کی فتح سے نوازا یہ وہ مقام ہے جو عمان ، بحرین ، فارس ، ہند اور چین سے آنے والے جہازوں کی بندرگاہ ہے ۔

صحار اور ظفار :- صحار اور ظفار کو بھی سمندری تجارت کے مراکز کی حیثیت حاصل تھی ، جہاں برصغیر کے تاجروں کی آمدورفت رہتی تھی ۔ اس ضمن میں قاضی اطہر مبارک پوری فجرالاسلام کے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں ۔ " وفى شرق حضر موت ظفار وهى من قديم مصدر للتوابل والطيب ونجور المعابد والابزال الى اليوم يرسل الى الهند "حضرموت کے مشرق میں ظفار قدیم دور سے گرم مسالوں اور خوشبوؤں اور عبادت گاہوں کے بخوت کی منڈی ہے اب بھی یہاں سے ہندوستان مال بھیجا جاتا ہے ۔

عدن :- عدن میں عنبر ، عود اور مشک عام دستیاب ہے اور سندھ ، ہندوستان ، چین ، زنج ، حبشہ ، فارس بصرہ ، جدہ اور بحر قلزم سے آیا ہوا مال اور سامان وہاں ہر وقت مل سکتا ہے ۔

یمن :- قدیم زمانہ میں یمن کو برصغیر جنوبی ایشیاء کے تجارتی مال کی بہت بڑی منڈی قرار دیا جاتا ہے ۔ اس سلسلے میں فجرالاسلام کے الفاظ یہ ہیں : " وكانت التجارة قديما فى يداليمنين وكانوا لهم العنصر الظاہر فيها فعلى يدهم كانت تنقل غلات حضر موت وظفار ووازدات الهند الى الشام و مصر " پرانے زمانے میں سلسلہ تجارت اہل یمن کے ہاتھ میں تھا اور انہی لوگوں کو تجارت میں غالب عنصر سمجھا جاتا ہے ۔ ان کی وساطت سے حضرموت اور ظفار کے مال اور ہندوستان کی چیزیں شام اور مصر جاتی تھیں ۔

مکہ :- مکہ مکرمہ بھی تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا اور مختلف ملکوں کے تجارتی قافلے اس شہر میں آتے ، اپنا مال فروخت کرتے ، چند روز وہاں مقیم رہتے اور پھر اگلے سفر پر روانہ ہوجاتے تھے ۔ یہ تجارتی قافلے برصغیر کی مصنوعات بھی فروخت کرتے تھے ۔ ایک مصری مورخ لکھتا ہے !

" كانت مكة محطا لا صحاب القوافل الاتية من جنوب العرب تحمل بصنائع الهند واليمن الى الشام و مصر ينزلون بها ويسقون من بئرشهيرة بهاتسمى بئرزم زم وياخذون منها حاجتهم من الماء " جنوبی عرب سے آنے والے تجارتی قافلوں کی ایک منزل مکہ

مکرمہ تھا ۔ یہ قافلے ہندوستان اور یمن کا تجارتی سامان شام اور مصر کو لے جاتے تھے ۔ اثنائے سفر میں یہ لوگ مکہ مکرمہ میں قیام کرتے اور وہاں کے مشہور کنوئیں زمزم سے سیراب ہوتے اور اگلے سفر کے لیے بقدر ضرورت زم زم کا پانی ساتھ لے جاتے تھے ۔

مدینہ منورہ :- عرب کے مغربی علاقہ میں بحر احمر کی مشہور قدیم بندرگاہ جار بھی بہت بڑی تجارتی منڈی تھی ، یہاں پر مصر اور حبشہ کی طرح بحرین اور مشرق بعید ، چین تک سے تجارتی جہاز آتے تھے جار چونکہ مدینہ منورہ کی قدیم بندرگاہ تھی ، اس لئے یہاں کا مال مدینہ اور اطراف کی بستیوں میں کثرت سے فروخت ہوتا تھا ۔ خاص شہر مدینہ کے علاوہ اطراف وجوانب میں مالدار یہودیوں کی آبادیاں تھیں اور وہاں بھی بازار لگتے تھے اس لئے جار کی بندرگاہ پر بھی جنوبی ایشیاء کا سامان تجارت بکثرت آتا تھا ۔ صحابہ کرام جب ہجرت کرکے مدینہ آئے تو ان میں سے اکثر حضرات نے تجارت کرکے ترقی کی ۔ جاہلی دور کے خاص خاص بازاروں میں عمان کے سوق صحار اور سوق دیا بہت مشہور تھے ۔ جن میں سندھ ، جنوبی ایشیاء کے دیگر ممالک چین اور مشرق ومغرب کے تاجر اپنا اپنا مال لےکر آتے تھے ۔

عرب کے بڑے بڑے موسمی بازار :- مذکورہ بالا منڈیوں اور بندرگاہوں کے علاوہ اندرون عرب میں خاص خاص موسموں میں کچھ بازار لگتے تھے یہاں برصغیر کا مال بکثرت فروخت ہوتا تھا ۔ علامہ ابوعلی مرزوقی کے حوالے سے قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں : " عرب میں کل تیرہ بڑے بازار لگتے تھے جنکے نام ترتیب وار یہ ہیں ۔ (۱) دومۃ الجندل (۲) صحار (۳) دبا (۴) شحر (۵) رابیہ حضرموت (۶) ذوالمجاز (۷) نطاۃ خیبر (۸) مشقر (۹) منی (۱۰) حجر (۱۱) عطاظ (۱۲) عدن (۱۳) صنعاء

دومۃ الجندل :- دومۃ الجندل کا بازار اپنے محل وقوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا تھا ۔ یہ بازار (عیدالفطر) ربیع الاول کا چاند نظر آنے سے شروع ہوکر نصف ماہ تک پورے زور وشور سے لگا رہتا تھا بعض دفعہ آخر مہینہ تک چلاجاتا تھا ۔

مشقر :- مشقر مقام ہجر (بحرین) میں واقع ہے ۔ دومۃ الجندل سے تاجر اور خریدار اٹھ کر یہاں آتے تھے ، یہ بازار پہلی جمادیٰ الاخری سے آخر مہینہ تک لگتا تھا ۔ اس بازار میں اہل فارس خشکی کے راستے بڑی کثرت سے آتے تھے اور ان کی تجارت خوب چلتی تھی ۔

صحار :- صحار کا بازار پہلی رجب سے ۲۰ رجب تک لگتا تھا اور مشقر کی ساری رونق یہاں سمٹ آتی تھی جو لوگ کسی وجہ سے پہلے دونوں بازاروں مین شریک نہیں ہوسکتے تھے وہ سوق صحار میں شریک ہوجاتے تھے ۔

دبا :- دبا (دبیٔ) کا بازار صحار کے بعد لگتا تھا ، یہ مقام جنوبی ایشیاء کے تجارتی جہازوں کیلئے بہت بڑی بندرگاہ

تھا۔ جنوبی ایشیاء اور چین کے تاجر یہاں جمع ہوتے تھے۔ اس کے بارے میں ابوعلی مرزوقی لکھتے ہیں:

"وکانت احدی فرض الهند مجتمع بها تجار الهند والسند والصین واهل المشرق والمغرب" دبا ہندوستان کی بندرگاہ تھی جہاں ہندوستان، سندھ اور چین بلکہ مشرق مغرب کے تاجر جمع ہوا کرتے تھے۔ اس بازار کی ابتداء رجب کے آخری دن ہوتی تھی۔

شحر مہرہ :- شحرمہرہ کا بازار اس پہاڑی کے درمیان لگتا تھا جس پر حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ یہاں سوق دبا کے بری اور بحری تاجر اٹھ کر آتے تھے۔ اس کا وقت نصف شعبان تھا۔

عدان :- سوق عدن پہلی رمضان سے ۲۰ تک رہتا تھا۔ شحرمہرہ سے تاجر وخریدار اٹھ کر یہاں آتے تھے بحری تاجروں میں وہی لوگ یہاں آتے تھے جن کا تمام مال پہلے بازاروں میں فروخت نہیں ہوتا تھا وہ یہاں آکر باقی مال فروخت کرتے تھے۔ اس طرح خریداروں میں بھی وہی لوگ زیادہ ہوتے تھے جو دوسرے بازاروں میں نہیں پہنچ سکتے تھے اس بازار کے حسن انتظام کی دھوم ہندوستانی تاجروں میں اس قدر تھی کہ پورے برصغیر میں اس کا چرچا تھا اس سلسلے میں علامہ ابوعلی لکھتے ہیں:

" حتی ان تجار البحر لترجع بالطیب المعمولی تفخر به ف السند والهند وترتحل بل تجار بر الی فارس " بحری تاجر یہاں کے حسن کارکردگی کا فخریہ تذکرہ سندھ اور ہندوستان میں کرتے تھے اور بری تاجر اسے پورے فارس میں جاکر بیان کرتے تھے۔

صنعاء :- عدن کے بعد صنعاء کا بازار نصف رمضان سے شروع ہوکر آخر تک رہتا تھا۔ یہاں کپڑے، لوہے، روئی، زعفران اور مختلف رنگوں کی تجارت خوب ہوتی تھی۔

رابیہ :- پھر صنعاء کا یہ بازار ختم ہوکر سوق رابیہ اور سوق عکاظ میں منقسم ہوجاتا تھا۔ یہ دونوں بازار ایک ہی وقت میں نصف ذی قعدہ میں لگتے تھے۔ سوق رابیہ بے توجہی کا شکار ہوجاتا تھا۔

عکاظ :- عکاظ کا بازار نجد کے بالائی علاقہ عرفات کے قریب لگتا تھا۔ یہ پورے عرب کا سب سے بڑا بازار تھا۔ نصف ذی قعدہ سے غرہ ذوالحجہ تک رہتا تھا یہاں نہایت عمدہ اور نایاب سامان فروخت ہوتا تھا۔

ذوالمجاز :- ذوالحجہ کا چاند دیکھتے ہی عکاظ کا بازار ٹوٹ کر ذوالمجاز میں منتقل ہوجاتا تھا اور یہاں کے تمام تاجر وہاں پہنچ کر خرید وفروخت میں مشغول ہوجاتے، یہ مقام عکاظ سے قریب ہے، ذوالمجاز میں لوگ یوم ترویہ تک مقیم رہتے تھے، عرب کے حجاز اور دوسرے بازاروں میں شریک نہ ہونے والے افراد عام طور پر سوق ذوالمجاز میں شریک ہوتے تھے۔ ان بازاروں کے علاوہ سوق نظارہ خیبر اور سوق جرعامہ میں بھی خوب خرید وفروخت ہوتی تھی۔

مالدیب کی رسیاں اور کوڑیاں بین الاقوامی منڈی:- مالدیپ میں بنی ہوئی ناریل کے تار کی رسی اور کوڑیوں کے بین الاقوامی منڈی میں فروخت ہونے کے بارے میں ابن بطوطہ لکھتے ہیں:

"رسیاں جہازوں کے واسطے بنائی جاتی ہیں اور یمن اور ہند اور چین میں بیچنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ یہ رسی بھنگ کی رسی سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ ہندوستان اور یمن میں جہازوں کی لکڑیاں ان رسیوں سے جوڑتے ہیں اور لوہے کی میخیں استعمال نہیں کرتے کیونکہ لوہے کی میخیں پتھر کے ٹکرانے سے ٹوٹ جاتی ہیں لیکن اگر ان رسیوں سے تختے جڑے ہوئے ہوں تو خواہ کیسی ہی چوٹ پہنچے جہاز کو نقصان نہیں پہنچ سکتا"۔ کوڑیوں کے بارے میں لکھتے ہیں " بنگلہ کے ملک میں بھی کوڑیوں کا چلن ہے۔ اہل یمن بھی کوڑیاں خریدتے ہیں اور بجائے ریت کے اپنے جہازوں میں بچھا لیتے ہیں۔ سو ان میں بھی کوڑیوں کا چلن ہے۔ اور مالی اور جوجو کے ملک میں ایک طلائی دینار کے عوض گیارہ سو پچاس کوڑیاں بکتی ہیں"۔ (۷)

سیاسی روابط:- قدیم زمانہ میں ایران کو ایک مضبوط اور مستحکم طاقت کی حیثیت حاصل تھی، عرب کے چند علاقوں پر بھی اسکا قبضہ تھا۔ دوسری طرف بلوچستان اور سندھ پر اکثر اس کا قبضہ رہا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ بہت سے جنوبی ایشیائی باشندے ایران کی فوج میں شامل ہوگئے۔ انہوں نے عرب کے ان علاقوں میں سکونت اختیار کرلی تھی جو ایرانیوں کے زیر اثر تھے۔ خاص طور پر یمن کے علاقہ میں ان کی کثرت وشوکت مسلم تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام طفولیت میں جب شاہ حبشہ ابرھہ کے بیٹے مسروق بن ابرھہ نے یمن پر حملہ کرکے سیف بن ذی یزن کو بے دخل کردیا اور اس نے کسریٰ نوشیروان کے یہاں جاکر اس کا تذکرہ کیا تو اس نے دریافت کیا: " ای الاغیریۃ الحبشۃ ام السند؟"
کن غیر ملکیوں نے یمن پر قبضہ کیا ہے؟ حبشوں نے یا سندھیوں نے؟ اس سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت یمن میں سندھیوں کی آبادی بہت زیادہ تھی اور ان کی شان وشوکت مسلم تھی۔ اس طرح عرب کے مختلف مقامات میں برصغیر جنوبی ایشیاء کے متعدد گروہ آباد ہوگئے تھے۔ اور یہ گروہ وہاں مختلف خدمات انجام دیتے تھے۔

حواشی

(۱) فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، جلد سوم، اردو ترجمہ عبدالحق خواجہ ایم اے لاہور، بک سٹال ۱۹۹۱ء، ص: ۵۷۹

(۲) البیرونی، کتاب الہند، اردو ترجمہ سید اصغر علی، لاہور۔ الفیصل ناشرو تاجران کتب، باراول اکتوبر ۱۹۹۶ء ص ۱۵۲

(۳) قاضی اطہر مبارکپوری، مولفہ، عرب وہند رسالت میں، کراچی، مکتبہ عارفین، اپریل ۱۹۷۵ء، ص: ۳۰

(۴) قاضی اطہر مبارکپوری، ایضاً، ص ۳۰ (۵) قاضی اطہر مبارکپوری، ایضاً، ص ۳۰ (۶) قاضی اطہر مبارکپوری، ایضاً، ص ۳۰ (۷) قاضی اطہر مبارکپوری، ایضاً، ص ۳۰۔

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

فتاویٰ حقانیہ کی کتابت کا آغاز :- الحمدللہ دارالعلوم حقانیہ کو ابتدائے تاسیس ہی سے لیکر آج تک جو مرجعیت حاصل ہے اس کے مظاہر کم دیکھنے میں آئے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ روزانہ ملک و بیرون ملک سے جامعہ کے دارالافتاء کو خطوط کی شکل میں استفسارات آتے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بالمشافہ بھی بہت سے حضرات مسائل پوچھنے کیلئے دارالعلوم تشریف لاتے ہیں ۔ چونکہ کئی سال تک دارالافتاء میں فتاویٰ کے نقل رکھنے کا باقاعدہ انتظام نہ تھا ۔ اس لئے ہزاروں کی تعداد میں فتاویٰ رجسٹروں میں اندراج سے رہ گئے ۔ اس کے بعد رجسٹروں میں باقاعدہ اندراج کا انتظام کیا گیا اور انتہائی قلیل مدت میں کئی رجسٹر ان فتاویٰ اور استفسارات سے تیار ہوگئے ۔ اب جب سے دارالعلوم میں تخصص فی الافتاء کا اہتمام کیا گیا ہے تو درجہ تخصص کے طلبہ نے ان فتوؤں پر تحقیق شروع کی اور مکررات وغیرہ نکالے اور اسی طرح مزید چھان بین کر کے ان کو فقہی کتب کیطرح ترتیب دیا گیا ۔ گذشتہ مہینے حضرت مہتمم صاحب مولانا سمیع الحق مدظلہ کی زیرسرپرستی ان فتاویٰ کی کتابت کا کام شروع کیا گیا ہے ۔ اسی طرح انشاء اللہ وہ دیرینہ تمنا پوری ہوجائیگی جو کئی سالوں سے فضلاء حقانیہ متعلقین دارالعلوم اور عامۃ المسلمین مطالبہ کررہے تھے کہ اس فتاویٰ کو کتابی شکل دیجائے ۔ اگر خداوند قدوس کا خصوصی کرم شامل رہا تو انشاء اللہ بہت جلد یہ عظیم علمی اور تحقیقی کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائیگا ۔

سہ ماہی امتحانات :- ماہ صفر میں دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات بخیروخوبی اختتام پذیر ہوئے ۔ کثرت تعداد طلبہ کیوجہ سے پرچے دیکھنے اور نتائج نکالنے میں وقت لگتا ہے ، اس لئے گذشتہ دنوں تمام طلبہ کا نتیجہ مرتب کردیا گیا اور ان میں امتیازی پوزیشن حاصل کرنے والوں میں انعامات تقسیم کرنے کیلئے حسب سابق باقاعدہ تقریب تقسیم انعامات کا اہتمام کیا گیا ۔ جس میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے امتیازی حیثیت سے کامیاب ہونے والے طلبہ میں انعامات تقسیم کئے اور اساتذہ کرام وطلبہ کے اجتماع سے خطاب فرمایا ۔

طالبان زعماء کی آمد :- افغانستان میں طالبان تحریک کے زعماء جو وقتاً فوقتاً دارالعلوم تشریف لاتے ہیں اہم کامیابی فتح فاریاب کے بعد دارالعلوم تشریف لائے ۔ انہوں نے فاریاب میں طالبان کی فتح کو مستحکم کرنے کی خاطر استدعا کی کہ وہاں پر صوبہ کا کنٹرول سنبھالنے کیلئے طلبہ کی اشد ضرورت ہے ۔ اس لئے ہمارے ساتھ کچھ طلبہ وہاں فاریاب چلے جائیں ۔ چنانچہ دارالعلوم سے طلبہ کا ایک وفد افغانستان چلا گیا ۔ اسی سلسلہ میں ۳۰ جولائی کو بعد از ظہر دارالحدیث میں تحریک طالبان افغانستان کا صوبہ سرحد کے مدارس عربیہ و

مہتممین حضرات کے ساتھ ایک مشترکہ اجتماع بھی منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے فرمائی۔ امیرالمؤمنین ملا محمد عمر اخنذادہ کے طرف سے ان کے خصوصی معتمد وترجمان اور تحریک طالبان کے مرکزی رہنما مولانا وکیل احمد متوکل کی سرکردگی میں علماء افغانستان کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی جبکہ صوبہ سرحد کے اکثر دینی مدارس کے مہتممین اور شیخ الحدیث بھی شریک تھے۔ تحریک طالبان نے مربوط تعاون کے متعلق امور پر غور کیا اور سرکردہ علماء پر مشتمل ایک گیارہ رکنی کمیٹی قائم کی گئی جو طالبان سے مدارس عربیہ کے تعاون اور مقاصد کے لئے لائحہ عمل تیار کرے گی۔ اجتماع سے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان کی طالبان کی کامیابی کیلئے ہر قسم کی جدوجہد تمام علماء اور طلباء اور دینی قوتوں کا مشترکہ فریضہ ہے۔ اجتماع سے حضرت مولانا شیرعلی شاہ صاحب، حضرت مولانا محمد حسن جان صاحب، مولانا حمدللہ جان صاحب ڈاگئی، مولانا رحیم اللہ صاحب سوات، مولانا گوہرالرحمان صاحب، مولانا محمدادریس حقانی شیرگڑھ، مولانا وکیل احمد صاحب متوکل افغانستان، مولانا نجیب اللہ صاحب افغان قونصلیٹ جنرل اور دیگر حضرات نے خطاب کیا۔

دارالعلوم کے انتہائی مخلص میاں حضران بادشاہ کو صدمہ

دارالعلوم حقانیہ کے مخلص معاون حضرت شیخ الحدیثؒ صاحب کے عقیدت مند اور حضرت مولانا مفتی محمودصاحبؒ کے معتمد ساتھی جناب میاں حضران بادشاہ صاحب جوکہ سوشل ورکر اور انتہائی مخیر شخصیت ہیں کے والد محترم جناب حکیم میاں بادشاہ گلؒ گذشتہ دنوں مختصرعلالت کے بعد سی ایم ایچ پشاور میں انتقال فرماگئے۔ نماز جنازہ میں دارالعلوم کے تمام اساتذہ وعملہ اور کثیرتعداد میں طلبہ نے شرکت کی۔ اور دارالعلوم میں آپ کے ایصال ثواب کیلئے فاتحہ خوانی کی گئی۔ مرحوم انتہائی نیک سیرت پابند شریعت اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ مرحوم کی خوش بختی ہے کہ اللہ نے آپ کو ایسی نیک اور صالح اولاد سے نوازا۔ جوکہ آپ کی وفات کے بعد ان کے اعمال صالحہ میں اجرا تسلسل کا سبب بنےگی۔ ادارہ میاں صاحب اور ان کے دیگر برادران ورشتہ داروں کے ساتھ اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

الحاج محمدیوسف صاحبؒ کی اہلیہ کی وفات :- دارالعلوم حقانیہ کے بانی ارکان میں جناب الحاج محمدیوسف صاحبؒ کی اہلیہ گذشتہ دنوں وفات پاگئیں۔ حاجی محمد یوسف صاحبؒ حضرت شیخ الحدیثؒ کے انتہائی قریب اور معتمدترین ساتھی تھے۔ حاجی صاحبؒ نے اپنی زندگی دارالعلوم کی خدمت کیلئے وقف کی تھی اور دارالعلوم کے مفاد کیلئے کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاجی صاحبؒ اور انکی مرحومہؒ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرجمیل سے نوازے۔ (آمین)

جناب افتاب عالم ندوی صاحب

دنیائے اسلام کے عظیم محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا سانحہ وفات

دنیائے اسلام کے مشہور وممتاز محقق مخلص داعی و مبلغ، مترجم قرآن، سینکڑوں قیمتی مقالات اور سو سے زائد تحقیقی وعلمی کتابوں کے مصنف ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا ابھی حال ہی میں ۸۹ سال کی عمر میں سرزمین فرانس میں انتقال ہوگیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

ڈاکٹر صاحب مرحوم اگرچہ رہنے والے حیدر آباد کے تھے، لیکن عمر عزیز کا بیشتر حصہ انہوں نے فرانس میں گزرا، حدیث نبویؐ " دنیا میں اجنبی اور مسافر کی طرح زندگی گزارو"، کے مطابق بحث و تحقیق کے اس مرد مجاہد نے اپنی پوری زندگی مسافرت میں گزار دی۔ فرانس میں اتنی طویل اقامت کے باوجود وہاں کی شہریت حاصل نہیں کی اور فرانس ہی کیا دنیا کے کسی بھی ملک کی ان کے پاس نیشنلٹی نہیں تھی۔ بقول علامہ اقبالؒ سارے جہان کو انہوں نے اپنا وطن جانا اور حدود و ثغور کی تنگنائیوں میں کبھی اپنے کو مقید نہیں کیا۔ پیرس جیسے ترقی یافتہ شہر میں رہنے کے باوجود ان کی پوری زندگی سادگی، زہد اور تقشف کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ وہ اپنے تمام کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔ کبھی انہوں نے کوئی خادم نہیں رکھا۔ بازار سے سودا سلف بھی خود لاتے اور اپنا کھانا بھی خود ہی پکاتے۔ غالباً ان کی صحت وتندرستی انکی اسی جسمانی محنت ومشقت کی رہین منت تھی کہ عالم پیری میں بھی جواں رعنا کی طرح چاق وچوبند نشیط اور ہردم رواں، ہردم دواں تھی زندگی۔ ان کے تمام مقالات ومضامین اور تصنیفات بحث و تحقیق کے شاہکار ہیں۔ دنیا کے منتخب ترین تحقیقی کاموں میں سرفہرست انہیں رکھا جاسکتا ہے اور اگر ان کے میدان کار کے تنوع اور وسعت کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو دنیا کے کم اسکالرس ایسے ہوں گے جو ان کا حریف ہونے کا دعویٰ کر سکیں۔ ڈاکٹر صاحب تحقیقی وعلمی امور میں کبھی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے اور نہ کبھی کسی سے مرعوب ہوتے چاہے وہ علم و تحقیق کی دنیا میں عالمگیر شہرت کا مالک ہی کیوں نہ ہوتا، جو کچھ لکھتے خوب تحقیق کے ساتھ علی وجہ البصیرت لکھتے۔ تقریباً نصف صدی تک ڈاکٹر صاحب مرحوم یورپ کے قلب پیرس میں بیٹھ کر ان حملوں کا بھرپور دفاع کرتے رہے جو اغیار کی طرف سے مسلسل اور مختلف سطح اور راستوں سے اسلام، اس کی تاریخ وشخصیات اور اس کی تہذیب وثقافت پر ہورہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے اس قلمی جہاد ومعرکہ آرائی کی اہمیت اس وقت دوچند ہوجاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انہیں اس پرآشوب زمانہ کا بھی اچھا خاصہ حصہ ملا جس دور میں لوگ مغرب سے اس درجہ مرعوب ومتاثر تھے کہ دانشور حضرات مغرب کی ہر کجی کی بنیادیں دین فطرت ورحمت میں اپنے تئیں ثابت کرکے دل ہی دل میں کہتے تھے۔ ع شادیم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ڈاکٹر صاحب کی تمام نگارشات کا مطالعہ کرجائیے کہیں آپ کو مرعوبیت واحساس کمتری کا شائبہ نہیں ملے گا۔ یہ صحیح

ہے کہ ان کے یہاں بھی بعض تفردات پائے جاتے ہیں، لیکن اس کا سرچشمہ ان کی تحقیق اور مطالعہ ہے نہ کہ مغرب سے مرعوبیت واحساس کمتری۔ بڑے بڑے نامی گرامی عالمی شہرت کے حامل مستشرقین آپ کے معاصر رہے ان سے بڑے بڑے معرکے ہوئے، مطالعہ میں وسعت وگہرائی مراجع سے براہ راست واقفیت اور مستشرقین کی کمزوریوں پر مطلع ہونے کی وجہ سے اگر اسلام کو مطعون وبدنام کرنے کی کوشش کی جاتی تو ڈاکٹر صاحب اپنی زبان وقلم کے ساتھ میدان میں اتر جاتے اور پھر معاندین کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لیتے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم تحقیق وریسرچ کے لئے بیسویں صدی کے تیسرے دہے میں پہلی مرتبہ فرانس گئے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر حیدر آباد واپس آگئے اور عثمانیہ یونیورسٹی میں بین الاقوامی قانون کے پروفیسر مقرر ہوئے لیکن تھوڑی ہی مدت کے بعد یعنی ۱۹۴۸ء میں انہیں پھر پیرس واپس جانا پڑا، وہاں انہوں نے مختلف علمی تحقیقی اداروں میں تحقیقی وتدریسی خدمات انجام دیں، اسی زمانہ میں لیکچرس دینے کے لئے سال میں تین ماہ کے لئے ترکی کا بھی سفر کرتے تھے۔ ان کی زندگی میں آرام کا کوئی خانہ نہیں تھا۔ شاید انہوں نے زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں کیا۔ بحث وتحقیق کا ذوق انہیں فطری تھا انہیں پیدائشی محقق کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہو۔ تصوف کی اصطلاح میں وہ فنافی العلم والتحقیق تھے۔ غالباً اپنی اسی جبلت کی بناپر بال بچوں کا بکھیڑا انہوں نے اپنے سر نہیں لیا۔ انہوں نے اپنی تمام علمی مصروفیات کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے کام کو بھی عملاً ہمیشہ جاری رکھا۔ ان کی قلمی، لسانی اور علمی کوششوں سے ہزاروں انسانوں کو ہدایت ملی۔ فرانس میں ان کی ذات ایک شجر سایہ دار کی سی تھی، یورپین کلچر سوسائٹیوں، یونیورسٹیوں اور علمی حلقوں میں وہ اسلام اور مسلمانوں کے تنہا نمائندہ اور وکیل تھے۔ ہر بڑے اور مخلص انسان کی طرح جاہ وشہرت سے ڈاکٹر صاحب مرحوم ہمیشہ دور رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ۱۹۹۴ء میں خدمت اسلام پر جب فیصل ایوارڈ کے لئے ان کا نام آیا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ فرانسیسی زبان میں انکے ترجمہ قرآن کے بیس سے زائد ایڈیشن اب تک نکل چکے ہیں اور ابھی حال ہی میں "شاہ فہد کامپلیکس برائے طباعت واشاعت قرآن کریم مدینہ منورہ" نے اسے اپنے یہاں سے شائع کرنیکا فیصلہ کیا ہے۔ اسی طرح ان کی کتاب "اسلام کا تعارف" (فرانسیسی) کا بیس سے زائد زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ یقیناً یہ کرشمہ محض اسلوب وبیان، علم وتحقیق اور حسن وترتیب وتالیف کا نہیں ہوسکتا، بلکہ اس میں دخل انکے خون جگر، خشیت الٰہی، حسن نیت اور عشق رسولؐ کے جذبہ صادق کا بھی ہے۔ ایک جرمن خاتون اسکالر بیان کرتی ہے: مجھے ڈاکٹر صاحب سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا کئی مرتبہ انہیں خط لکھ کر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا لیکن انہوں نے وقت نہیں دیا۔ خوش قسمتی سے اسی دوران ہندوستان میں ان کے ایک ایسے شاگرد سے میری ملاقات ہوگئی جن کے تعلقات ڈاکٹر صاحب سے بہت اچھے تھے ان سے میں نے درخواست کی کہ ایک سفارشی خط لکھ دیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کے تعلق کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے وقت دے دیا۔ میں پردہ کے ساتھ مکمل ساتر لباس میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ صرف چہرہ کھلا ہوا تھا لیکن جب تک میں ان کے پاس بیٹھی رہی وہ دوسری طرف رخ کئے رہے اور اسی طرح میرے سوالات کے جوابات دیتے رہے۔

(بقیہ ص ۳۰ پر)

The First Name in Bicycles, brings ANOTHER FIRST

SOHRAB VIP SPORTS

Sohrab, the leading national bicycle makers now introduce
the last word in style, in elegance, in comfort...
absolutely the last word in bicycles.

PAKISTAN CYCLE INDUSTRIAL COOPERATIVE SOCIETY LIMITED
National House, 47 Shahrah-e-Quaid-e-Azam, Lahore, Pakistan.
Tel: 7321026-8 (3 lines). Telex: 44742 CYCLE PK. Fax: 7235143. Cable: BIKE

دانت دُرست "تَن" دُرست

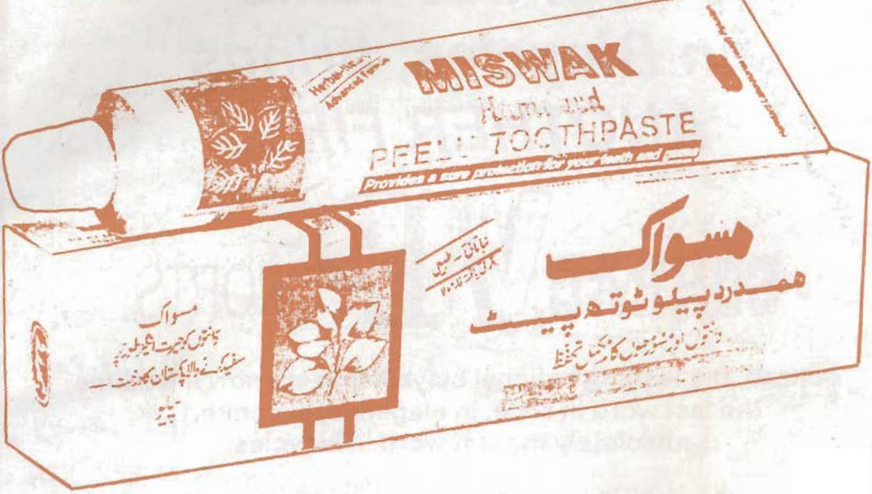

دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی صحّت کے لیے انتہائی موثّر نباتاتی

مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ

اچھی صحت کا دارو مدار صحت مند دانتوں پر ہے۔ اگر دانت خراب ہوں یا عدم توجہی کے باعث گر جائیں تو انسان دُنیا کی بہت سی نعمتوں اور لذتوں سے لُطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ زمانۂ قدیم سے صحتِ دندان کے لیے انسان درختوں کی شاخیں بطور مسواک استعمال کرتا آیا ہے۔ ہمدرد نے تحقیق و تجربات کے بعد دار چینی، لونگ، الائچی اور صحتِ دہن کے لیے دیگر مفید نباتات کے اضافے کے ساتھ "مسواک ٹوتھ پیسٹ" تیار کیا ہے جو دانتوں کو صاف اور سفید رکھنے کے ساتھ مسوڑھوں کو بھی مضبوط، صحت مند اور محفوظ رکھتا ہے۔

سارے گھر کا ٹوتھ پیسٹ
مسواک ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ
مسواک کے قدرتی خواص صحتِ دنداں کی مضبوط اساس

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔